☆سوانح حیات حضرت حکیم مولوی عبید اللہ صاحب بسمل رضی اللہ عنہ

مولانا محمد یعقوب طاہر کی قلم سے

حضرت حکیم مولوی عبید اللہ صاحب بسمل رضی اللہ تعالیٰ عنہ جن کی وفات ۲۹ ستمبر ۱۹۳۸ء کو قریباً سو سال کی عمر میں ہوئی۔ سلسلہ عالیہ احمدیہ کی ممتاز ہستیوں میں سے تھے، اور گو آپ عمر طبعی پا کر ہم سے جدا ہوئے ہیں۔ تاہم آپ جس مسلمہ قابلیت کے مالک تھے۔ جس قدر علومِ دینیہ میں ماہر تھے اور جس قدر خوبیاں اور کمالات اپنے اندر رکھتے تھے۔ اُن کے لحاظ سے آپ کی وفات جماعت احمدیہ کے لئے بہت بڑے صدمہ اور رنج کا باعث ہے۔ اور نہ صرف جماعت احمدیہ کے لئے آپ کی وفات صدمہ کا باعث ہوئی ہے۔ بلکہ اُن لوگوں نے بھی جو گو جماعت احمدیہ میں شامل نہیں مگر حضرت حکیم مولوی عبید اللہ صاحب بسملؓ سے ذاتی تعارف رکھتے تھے، آپ کی اِس جدائی سے بہت رنج محسوس کیا ہے۔ چونکہ مجھے بھی حضرت مولوی صاحب مرحوم کی شاگردی کا فخر حاصل ہے۔ اس لئے میں چاہتا ہوں کہ آپ کے سوانح حیات جس حد تک میرے پاس محفوظ ہیں۔ بذریعہ ''الحکم'' احباب کے سامنے رکھ دوں۔ اور درخواست کروں کہ احباب مولوی صاحب مرحوم کی بلندی درجات کے لئے دعا کریں۔ تاکہ جس طرح دنیا میں وہ کوچۂ یار میں دھونی رُما کر بیٹھ گئے تھے۔ اُسی طرح آخرت میں بھی اُنہیں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے قرب میں جگہ حاصل ہو۔

مولوی صاحب مرحوم کے شمائل و اخلاق پر روشنی ڈالنے یا آپ کی زندگی کے بعض اور حالات بیان کرنے سے پہلے میں چاہتا ہوں۔ کہ ترتیب کے ساتھ احباب کے سامنے آپ کی زندگی کے پہلے وہ حالات بیان کر دوں۔ جو وقتاً فوقتاً بعض رسائل میں شائع ہو چکے ہیں۔ کیونکہ اُن

☆الحکم ۷/۱۴ نومبر ۱۹۳۸ء

کے بغیر وہ تسلسل قائم نہیں رہ سکتا۔ جو میں اس مضمون میں قائم رکھنا چاہتا ہوں۔

رسالہ تشحیذ الاذہان کا ایک مضمون

رسالہ تشحیذ الاذہان جو ایک عرصہ تک قادیان سے شائع ہوتا رہا ہے۔اس کے جون ۱۹۱۸ء کے پرچہ میں بعنوان ’’شمع ہدایت کے پروانے یا تیغِ عشق کے قتیل‘‘ ایک مضمون شائع ہوا تھا۔ جس میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے بعض صحابہؓ کا ذکر تھا۔ اس مضمون میں پانچویں نمبر پر حضرت حکیم مولوی عبید اللہ صاحب بسمل کا بھی ذکر ہے۔مولوی صاحب موصوف اُن دنوں مسجد اقصیٰ کے پچھواڑے ایک مکان میں رہا کرتے تھے۔مضمون نویس نے لکھا:۔

’’میرے ساتھ آؤ! تمہیں قادیان کے چھوٹے سے قصبہ کی تنگ اور پیچیدہ گلیوں کی سیر کراؤں۔مسجد اقصیٰ سے جنوب کی طرف براہمنوں کے مکانات کے پچھواڑے ایک گوشہ میں ایک مکان واقع ہے۔اس کی زیبائش کی طرف دھیان کرو۔ چند ٹوٹی ہوئی چٹائیاں بچھی ہیں۔ایک چٹائی پر ایک بوسیدہ سا کپڑا بچھا ہے۔عربی زبان کے مختلف علوم وفنون کی چوٹی کی کتابیں بے ترتیب اوپر تلے گڈ مڈ ہوئی پڑی ہیں۔ کچھ دوائیوں کی شیشیاں اسی فرش پر اورالماری میں رکھی ہیں۔ایک نورانی بزرگ سر جھکائے قلم ہاتھ میں کاغذ زانوؤں پر دوات دائیں طرف رکھے ہوئے استغراق کے عالم میں بیٹھا ہے۔اس کے قلم کو دیکھ پر کیا کیا صوری اور معنوی گلکاریاں کر رہا ہے۔لکھتا ہے۔اور لکھتے لکھتے رک کر قلم کے آخری حصہ کو ہونٹوں میں دباتا ہے۔کبھی کان پر رکھ لیتا ہے۔اور کتابوں میں سے کوئی ایک کتاب اٹھا کر ورق گردانی کرتا ہے۔ایک مقام پر ٹھہر جاتا ہے۔ اور چہرے پر کامیابی کے آثار ظاہر ہوتے ہیں۔پھر قلم کو سنبھال کر لکھنے میں مصروف ہوجاتا ہے۔ جب کوئی بیمار یا کوئی اور شخص اس کے پاس آتا ہے۔اپنا مشغلہ تحریر چھوڑ کر بیمار کو نسخہ یا دوا دیتا ہے۔اور دوسرے ملاقاتی سے اخلاق

ومحبت سے ایسی باتیں کرتا ہے کہ اس کو اپنا بنا لیتا ہے۔اس کی باتوں میں ایسا کیف اور ایسا سرور ہے کہ سننے والا ہمہ تن گوش ہو کر محو ہو جاتا ہے۔ وہ ہر ایک شخص سے خواہ کیسا ہی ادنیٰ درجہ کا کیوں نہ ہو، اس گرمجوشی اور لطف و مدارات سے ملتا ہے۔ کہ ملنے والے کو اپنی نسبت کچھ غلط فہمی ہو جاتی ہے۔ کہ شائد مجھ میں بھی کوئی کمال ہے۔ جو یہ شخص اس احترام کے ساتھ ملتا ہے۔ لیکن اس کی غلط فہمی دوسرے سے مل کر فوراً دور ہو جاتی ہے۔ اور اُسے فیصلہ کرنا پڑتا ہے۔ کہ یہ وسعت اخلاق اور لطف و مدارات اسی شخص سے مخصوص ہے۔

ملنے والے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے وقت میں کہا کرتے۔ کہ آپ اس بزمِ قدسی میں زیادہ کیوں نہیں جاتے۔اس کے جواب میں وہ یہ شعر سنا دیتا۔

زاہد نہ داشت تاب جمالِ پری رُخاں

دستے بروکشید و دعارا بہانہ ساخت

کبھی کہتا۔ بابا! میرا مسلک اور ہے اور تمہارا اور۔تم کیا جانو۔ وہ جس کے ساتھ خدا باتیں کرتا ہے۔ہم کب اس کے اہل ہیں کہ اُس کے سامنے بیٹھ جائیں۔

حضرت خلیفہ اول کے آخری ایام میں جماعت کے ہر کہہ ومہ کی زبان پر یہی سوال ہے۔ کہ اب کون خلیفہ ہوگا اس کے سامنے بھی یہ سوال آتا ہے۔سائل کچھ نام بھی لیتا ہے۔لیکن یہ جواب دیتا ہے۔

عشق بازاں مرید خوباں اند

پیر ایں قوم نوجواں باشد

قادیاں آنے سے پہلے اس کا ایک شہر رامپور میں قیام ہے۔مخالف کی یہ کیفیت ہے کہ حاکم تک کا دل صاف نہیں۔ ادنیٰ و اعلیٰ سب نقصان پہنچانے کے در پے ہیں ۔ ملنے والوں اور

ساتھیوں نے ساتھ چھوڑ دیا۔ دوستوں نے آنکھیں پھیر لیں۔غریب الوطنی کا عالم ہے۔کوئی یار نہ کوئی غمگسار، درو دیوار تک مخالفت پر آمادہ ہیں۔فقط خدا پر توکل اور خدا کے مسیح کا عشق دل میں ہے۔ بازاروں سے گذرتا ہے۔کوئی کچھ کہتا ہے۔کوئی کچھ۔ جتنے منہ اتنی باتیں۔ بچہ بچہ کی زبان پر'' قادیانی کتا'' ہے۔مگر یہ خدا کا مخلص بندہ اس لفظ سے اظہارِ ملال کیسا فخر ہے۔ کہ الحمدللہ مسیح موعودؑ سے کچھ تو تعلق ہے۔آوازوں سے گذر کر بعض جگہ اینٹ پتھر تک نوبت پہنچتی ہے۔آخر وہ دن آتا ہے کہ مصائب انتہا کو پہنچے۔ دنیاوی حکومت پر غرور کرنے والے کے اشاروں پر ایک افسرات کے وقت آکر گھر کو گھیر لیتا ہے۔ جو وہ کرسکتا ہے کرتا ہے۔اور اترا کر اس مرد جری کو کہتا ہے۔ جاؤ اپنی مدد پر کسی کو بلالو۔ وہ تمہیں میرے چنگل چھڑالے۔ اُس نے کہا'اِنَّمَا اشکو ابثی و حزنی الی الله میری نظر انسانوں پر نہیں۔میرا بھروسہ اس پر ہے۔ جو تمہارے ظلم اور میری مظلومیت کو جانتا ہے۔تم دیکھو گے کہ وہ میری کیسی مدد کرتا ہے۔'' زمین باوجود فراخ ہونے کے اس پر تنگ کردی گئی۔۔اس لئے اس نے اس شہر کو چھوڑ دیا۔ وہ جس نے اُسے کہا تھا کہ اپنی مدد پر کسی کو بلالو۔ موردِعتاب ہوا۔فالج کے ذریعہ موت کا شکار ہوا۔اس کی اولاد بُرے حالوں سے زندگی کے دن بسر کر رہی ہے۔سب کو چھوڑ چھاڑ مدینۃ المسیح میں آجاتا ہے۔اور کہتا ہے۔

شکر للہ کہ دادہ اندمرا

جا بزیر منارہ بیضاء

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا جب ذکر آتا ہے۔تو کہتا ہے۔''مسیح موعودؑ کی صداقت کے نشانات مجھ سے پوچھو۔'' پھر وہ وجد میں آ آ کے بیان کرتا ہے۔خود ضبط سے بیان کرتا ہے۔ سننے والوں کو مزا آتا ہے۔اس کا علم و فضل ایسا ہے کہ حضرت مسیح موعودؑ کی تائید میں ایک کتاب

آیۃ خاتم النبین کی تفسیر میں لکھی ہے۔خلیفہ وقت اس کو پڑھتا ہے۔اور اُس کی تعریف میں رطب اللسان ہے۔اور کہتا ہے۔کہ ’’آج تک ہمارے سلسلہ میں کسی نے ایسی کتاب نہیں لکھی۔‘‘ فارسی زبان میں وہ علو حاصل ہے۔کہ حضرت مسیح موعودؑ اس کی ایک نظم سن کر فرماتے ہیں۔کہ ’’اِن کا کلام تو فردوسی کے کلام کا نمونہ ہے۔‘‘ خود کہتا ہے:۔

از مسیح اللہ گشتم فیضیاب
یافتم فردوسی ثانی خطاب

تم سمجھتے ہو! کہ یہ کُنج تنہائی میں رہنے والا مسیح موعودؑ کا پروانہ کون ہے؟ اس کا نام (مولانا) عبیداللہ بسمل امرتسری ہے۔‘‘

خودنوشت سوانح حیات

۱۹۳۰ء میں مولوی عبیداللہ صاحب بسمل رضی اللہ عنہ شدید بیمار ہو گئے۔اور آپ نے سمجھا کہ اب شائد میں اِس دنیا سے گذرنے والا ہوں۔یہ خیال آتے ہی باوجود کمزوری اور بیماری کے آپ نے قلم دوات منگوائی اور اپنی زندگی کے جستہ جستہ واقعات قلمبند کر کے اُس کی ایک کاپی حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ کی خدمت میں بھجوا دی۔اور ایک گھر میں رکھی۔بعد میں آپ کے صحتیاب ہونے پر مجھے ان کے ایک ربیب کے ذریعے وہ نقل مل گئی۔جو درج ذیل کی جاتی ہے۔آپ نے لکھا:۔

’’میرے والد خواجہ مظہر جمال صاحب حضرت امام علیشاہ صاحب نقشبندی مجددی کے مجازی خلیفہ تھے۔انہوں نے میری ابتدائی تعلیم مولانا ابو محمد حسین شعری قادری سے شروع کرائی۔ جب فارسی کی شُد بُد ہوگئی تو عربی پڑھنے کے واسطے مولانا ابو عبید اللہ غلام علی قصوری ثم امرتسری کی خدمت میں بھیجا۔انہوں نے مجھے اپنے شاگرد رشید مولانا احمد اللہ صاحب کے

سپرد کیا۔ اُن کے درس نے مجھ پر تو ہب کا رنگ چڑھا دیا۔ میرے والد بھی اگر چہ آزاد مشرب اور بدعات سے سخت متنفر تھے۔ مگر اس وقت کی تو ہب کی مخالف رو نے اُن کے دل میں یہ خیال پیدا کیا۔ کہ علم طب سے واقفیت حاصل کرائی جائے۔ چنانچہ حکیم مراد علی کے پاس تحصیل طب کے لئے جانے کی اجازت دی۔ اور خود حرمین شریفین کی زیارت کو چلے گئے۔ حکیم مراد علی چھپے ہوئے غالی شیعہ تھے۔ جو شخص اُن کے پاس اٹھتا بیٹھتا۔ اُس پر کچھ اس طرح اپنے عقائد کا اظہار کیا کرتے تھے۔ کہ اس سادہ لوح پر شیعیت کا رنگ چڑھ جاتا تھا۔ مجھ نو جوان خلق متغیر کی سادہ طبیعت میں بھی آہستہ آہستہ شیعیت اثر کر گئی۔ جب میرے والد ایک سال مکہ معظّمہ اور ایک سال مدینہ طیبہ میں رہ کر واپس آئے۔ تو اُن کو ایک دوست نے اطلاع دی کہ عبید اللہ تو ہب کے گڑھے سے نکل کر شیعیت کے کنوئیں میں گر گیا ہے۔ والد صاحب نے مجھ کو حکیم صاحب کے پاس جانے سے روک دیا۔ اور بقیہ کتب طیبہ کی تعلیم کے لئے حکیم حسام الدین صاحب خلف حکیم گل محمد صاحب کے پاس جانے کی اجازت دی۔ اُن کی خدمت میں حاضر ہونے سے معلوم ہوا کہ آپ مذہب تفضیل کا عقیدہ رکھنے والے معتزلی الاصول ہیں۔ اُن کی صحبت نے میرے سابقہ عقائد کو اور بھی پختہ کر دیا۔ والد صاحب انتقال فرما گئے۔ میں مقامات حریری پڑھنے کے لئے مولوی ابراہیم صاحب پانی پتی ہیڈ عربک ٹیچر امرتسر کے درس میں آنے جانے لگا۔

اسی زمانہ میں براہین احمدیہ کا چرچہ ہوا۔ کتاب کا نصف حصہ دیکھنے پایا تھا کہ رامپور کی طرف سفر کرنے کا موقع پیش آیا۔ جنرل عظیم الدین خان مدار المہام نے خاکسار کو ریاست کے کتب خانہ کی رجسٹراری پر مامور کیا۔ بجائے اس کے کہ علوم وفنون میں ترقی کرتا۔ اور موقع غنیمت سمجھتا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی سوانحعمری لکھنے لگ گیا۔ سات سال شب وروز کی عرقریزی

کے بعد ''ارجح المطالب فی مناقب علی ابن ابی طالب'' لکھ کر لاہور میں چھپوائی۔ گو چار پانچ ایڈیشن اس کے نکلے۔ مگر شیعہ سُنی دونوں اس سے ناراض ہوگئے۔ شیعہ حضرات ابوبکرؓ کے فضائل دیکھ کر اور اہل سنت حضرت علیؓ کی فضیلت کو اول نمبر پر دیکھ کر۔ باوجود اس کے شیعہ علماء نے اُس پر تقریظیں لکھیں اور اپنی کتابوں میں اس کے حوالے دیئے۔

قبول احمدیت:

ارجح المطالب کا چھپنا تھا کہ میرے ہاتھ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتاب سر الخلافہ آ گئی۔ اس کے مطالعہ نے میری آنکھیں کھول دیں۔ اُنہی دنوں میں نے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو خواب میں دیکھا۔ کہ آپ ایک شخص سے فرما رہے ہیں۔ جاؤ حضرت مرزا صاحب کو کہہ دیں۔ میں یہاں آ گیا ہوں۔

دوسرے روز میں بہمراہ حکیم محمد حسین صاحب مرہم عیسیٰ قادیان آیا اور چہرہ اقدس دیکھتے ہی پروانہ وار قربان ہوگیا۔ دو روز کے بعد حضرت صاحبزادہ عبداللطیف صاحب تشریف لائے۔ ایک روز اُن کی خدمت میں مہمان خانہ گیا۔ چند کتابیں وہاں دیکھ کر میں نے ایک کتاب اٹھائی۔ وہ دُرِّ ثمین تھی۔ کھول کر پڑھنے لگا۔ ناگاہ اس شعر پر نظر پڑی۔

کربلائے است سیر ہر آنم
صد حسین است در گریبانم

دل میں خیال آیا۔ کہ بہت بڑا دعویٰ ہے۔ حضرت امام حسینؓ جیسی شخصیت کا آدمی ہونا تو امرِ دشوار۔ کچھ دیر کے بعد میں وہاں سے اُٹھ کر چلا آیا۔ اور مسجد مبارک میں گیا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام ایک شخص سے باتیں کر رہے تھے۔ اثناء کلام میں فرمانے لگے۔ **الولد سرٌّ لابیه.** یہ فقرہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی زبانِ حقائق ترجمان پر جاری ہی تھا۔ کہ سید صاحب مسجد

کے دروزاہ سے مع رفقاء داخل ہوگئے۔اور سلام کہہ کر میرے پہلو میں بیٹھ گئے۔حضرت مسیح موعود علیہ السلام چند لمحوں کے بعد اُٹھ کر حرم سرا میں تشریف لے گئے۔مولوی عبدالکریم صاحب نے سید صاحب سے پوچھا۔آپ حسنی سید ہیں۔یا حسینی؟ سید صاحب کہنے لگے۔ ہمارا خاندان حسینی ہے۔اتنے میں نماز ظہر کی اذان ہوگئی۔جب سید صاحب کابل واپس جا کر شہید ہوگئے۔تو یہ تمام واقعات یعنی جناب امام حسین کا میرے خواب میں آنا اور فرمانا کہ مرزا صاحب سے کہہ دو میں آ گیا ہوں۔اور سید صاحب کی نشست گاہ میں میرا کتب درثمین کو دیکھنا۔اور خاص ''کربلائے است سیر ہر آنم'' کے شعر پر مجھ کو جناب امام حسین کی شخصیت کا خیال آ کر حضرت اقدس کی خدمت میں جانا اور حضرت کا ایک شخص سے **الولد سرٌّ لابیہ**۔کہنا اور اس کے معاً بعد سید صاحب کا نمودار ہو جانا۔اور شکل وشباہت کامل جانا۔اور پھر مولوی عبدالکریم صاحب کا سید صاحب سے حسب نسب کا سوال کرنا میرے آئینہ خیال میں پر تو افگن ہوئے۔اور میں وجد میں آ کر

کربلائے است سیر ہر آنم

کا تکرار کرنے لگ گیا۔

دور خسروی اور مسلمان را مسلمان باز کردند کا نظارہ

ایک دفعہ حضرت اقدس علیہ السلام نے قبل از نماز ظہر محل سرا سے برآمد ہو کر مولوی عبدالکریم صاحب کو طلب فرمایا۔اور ارشاد کیا کہ آج یہ شعر الہام ہوا ہے۔

جو دورِ خسروی آغاز کردند
مسلماں را مسلماں باز کردند

میں نے عرض کیا کہ عنوان تو ایسے معلوم ہوتے ہیں۔کہ جس طرح مسیحؑ بعد قسطنطین

اعظم سے دور خسروی شروع ہوا تھا۔ اُسی طرح ہماری جماعت میں بھی کہیں سو برس کے بعد دورِ خسروی شروع ہوگا۔ فرمایا نہیں جلد شروع ہوگا۔ پھر میں نے عرض کیا ''مسلماں را مسلماں باز کردند'' کے معنی اِس کے سوا اور کیا ہوسکتے ہیں۔ کہ غیر احمدی مسلمانوں کو احمدی مسلمان کیا جائے گا۔ فرمانے لگے نہیں اس کے سوا اور بھی معنی ہیں۔ تم خود دیکھ لوگے۔ جب ملکانہ میں مرتدین کو ازسرنو مسلمان کیا گیا۔ تو مجھ پر ''مسلماں را مسلماں باز کردند'' کے معنی حل ہوگئے۔ اور رامپور سے دوبارہ آنے پر جب دفاتر کا انتظام دیکھا تو معلوم ہوا کہ دورِ خسروی کا بھی آغاز ہوگیا۔ **اللھم زد فزد۔**

دو مرتدین کا عبرتناک انجام

رامپور میں دو شخص میری تبلیغ سے احمدی ہوکر علماء کے بہکانے سے پھر مرتد ہوگئے۔ مجھ کو اُن کی نسبت سخت قلق ہوا۔ ایک رات رؤیا میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام مجھے فرمانے لگے۔ **مَنْ عَـمَلَ صالحاً فلنفسه من اساء فعليها** ۔عبیداللہ۔ تم کیوں غم کرتے ہو۔ تم اپنی آنکھوں سے ان کی آنکھوں کا حال دیکھ لوگے۔ چند روز کے بعد دونوں آشوب چشم میں مبتلا ہوکر ایک کانا دوسرا اندھا ہوگیا۔ **فاعتبروا یا اولی الابصار**

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی فراست

میرا ایک دوست بیوی کو ساتھ لے کر دارالامان میں آیا۔ جب بیعت میں داخل ہوا۔ تو اس کی بیوی نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے عرض کیا۔ میں بھی بیعت کرنا چاہتی ہوں۔ ارشاد ہوا جب کہ تمہارا خاوند بیعت کر چکا ہے تم بھی اپنے آپ کو بیعت میں سمجھ لو۔ میرے دوست نے جب اس کا تذکرہ مجھ سے کیا تو میں نے اُس سے کہا۔ کہ حضرت تو جو عورت بیعت کی درخواست کرتی ہے۔ فوراً بیعت لے لیتے ہیں، تمہاری بیوی کی بیعت کے

ٹال دینے میں کوئی خاص مصلحت معلوم ہوتی ہے۔ وہ میرا دوست چندروز دارالامان میں رہ کر وطن کو چلا گیا۔ سال بھر کے بعد معلوم ہوا کہ اس کی بیوی سخت ادارہ ہوگئی ہے۔

ایک عظیم الشان معجزہ!

مجھے برف کے پانی پینے سے بائیں بازو اور ران میں سخت درد ہوگیا۔ اور ساتھ ہی میرا بایاں ہاتھ شدت کے ساتھ درد کرنے لگا۔ اور اس میں ایسی سردی آ گئی کہ گویا یخ کا ایک ٹکڑا ہے۔ جو شخص ہاتھ لگاتا تھا۔ سخت سردی محسوس کرتا تھا۔ میں نے حضرت اقدسؑ سے عرض کی کہ مجھ کو خدر ہوگیا ہے۔ فالج ہو جانے کا اندیشہ ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام (اس وقت ایک شخص سے باتیں کر رہے تھے۔ مجھ کو فرمانے لگے۔ آرام ہو جائے گا۔ میں زیادہ اپنا حال بیان نہ کر سکا۔ لیکن اس کے ساتھ ہی یہ دیکھا کہ میرے قلب میں ایک گونہ فرحت پیدا ہوگئی ہے۔ قیلولہ کرنے کی مجھ کو عادت تھی۔ اُسی روز جب کہ قیلولہ کر کے اٹھا تو دیکھا نہ سردی ہے۔ نہ درد نہ خدَر رہے۔ نہ سستی۔ الحمدللہ علی ذالک۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا وَصال:

میں ایک شب رامپور میں جناب مولوی خان ذوالفقار علی خان صاحب کے مکان پر بیٹھا ہوا تھا۔ حضرت اقدسؑ اُن دنوں لاہور میں تشریف فرما تھے۔ حضرت کی ڈائری اخبار میں چھپتی تھی۔ جناب خانصاحب کا منشی مجھ کو اور خانصاحب کو ایک روز وہ ڈائری سُنا رہا تھا کہ یکا یک اُس نے پڑھا۔ چند گریجوایٹ حضرت صاحب سے ملنے آئے۔ گفتگو کے سلسلہ میں حضرت صاحب نے فرمایا۔ ہمارا کام سمجھانا تھا۔ سو سمجھا چکے اب لوگ مانیں یا نہ مانیں۔ یہ فقرہ سن کر میرے بدن کے رونگٹے کھڑے ہوگئے۔ اور زبان سے نکلا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ خان صاحب نے پوچھا خیر ہے۔ میں نے کہا۔ کیا خیر ہے۔ نبی کے منہ سے جب

خدا ایسے الفاظ نکلوا دیتا ہے تو نبی امت سے بہت جلد رخصت ہو جاتا ہے۔ خانصاحب کہنے لگے۔ یہ تمہارا وہم ہے۔ میں نے زیادہ بحث مناسب نہ سمجھی۔ ساتویں روز تار نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی رخصت کی خبر دی۔

من شاء بعدک فلیمت فعلیک کنتُ احاذر

تصانیف:

حضرت مسیح موعودؑ کے معجزات اس قدر یاد ہیں۔ کہ اگر میں لکھوں تو ایک ضخیم کتاب بن جائے۔ میں نے ارجح المطالب، مرأت الاسلام، مسدس مدو جزر اسلام فارسی، ترجمان پارسی، بول چال فارسی، حق الیقین۔ یہ کتابیں تصنیف کی ہیں۔

☆ سوانح حیات حکیم مولوی عبیداللہ صاحب بسمل:

رات اور شاعر:

کچھ عرصہ ہوا۔ ''رات اور شاعر'' کے نام سے ہماری جماعت کے ایک نوجوان شاعر نے اپنی ایک نظم ٹریکٹ کی صورت میں شائع کی تھی۔ اس کا دیباچہ حضرت حکیم مولوی عبیداللہ بسمل صاحب نے لکھا تھا۔ حافظ مبین الحق صاحب جو اس ٹریکٹ کے پبلشر تھے۔ انہوں نے دیباچہ کے بعد حضرت علامہ حکیم عبیداللہ بسمل صاحب کا تعارف کراتے ہوئے حسب ذیل الفاظ مولوی صاحب موصوف کے متعلق لکھے۔

جناب علامۃ الدہر اور فاضل اجل حضرت عبیداللہ بسمل صاحب کے نام نامی اور اسم گرامی سے وہ تمام بزرگ بخوبی واقف ہیں۔ جن کی جوانی بڑھاپے کی شکل اختیار کر چکی ہے۔ چونکہ علامہ موصوف ایک گوشہ نشین آدمی ہیں۔ اس لئے میں ان کا انٹروڈیوس نوجوانوں سے بھی کروانا

☆ الحکم ۱۴۔۲۱ دسمبر ۱۹۳۸ء

چاہتا ہوں۔آپ پہلے ایک زبردست شیعہ مذہب کے پیرو تھے۔اور ایک بے مثال کتاب ارجح المطالب فی مناقب علی ابن طالب'' تصنیف فرمائی۔جس پر شیعہ صاحبان نے فخر کیا کرتے تھے۔آپ فارسی زبان کے خوب ماہر ہیں۔آپ نے ''فارسی بول چال'' تصنیف فرمائی۔وہ نارمل سکولوں میں پڑھائی جاتی تھی۔اور فارسی کی ٹیکسٹ بکس کے ساتھ اس کے کچھ حصص ملحق کئے گئے۔ایک مسدس فارسی میں کتاب کی شکل میں لکھی۔حق الیقین پیغامیوں کی ردّ میں اور'' تحفتہ الامیر'' کے فارسی ترجمہ میں آپ کے قلم کا بہت کچھ دخل ہے۔اور فارسی نظم میں اس قدر قادر الکلام ہیں۔کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے آپ کو فردوسی کا لقب عطا فرمایا۔

مزمور عجم

اس کے کچھ عرصہ انہی صاحب نے مزمور عجم کے نام اپنا کلام کا مجموعہ شائع کیا۔اور اسکا دیباچہ بھی حضرت حکیم مولوی عبید اللہ صاحب بسمل مرحوم سے لکھوایا۔اس ٹریکٹ میں راجہ محمد اسلم صاحب نے مولوی صاحب موصوف کے متعلق لکھا۔

ابتدائے آفرینش سے لے کر آج تک صفحہ ہستی پر ہزاروں عبید اللہ پیدا ہوئے ہونگے۔اور شاید لاکھوں کی تعدا میں زندان ہستی میں اسیر بھی ہوں۔مگر جس عبید اللہ بسمل کا تعارف میں کروانا چاہتا ہوں۔وہ کروڑوں میں سے ایک ہے۔دنیا میں اسکا تعارف کرانا میرے لئے خرط قتاد سے بھی زیادہ مشکل کام ہے۔کیونکہ ہندوستان اور ایران کا پیرو جوان باوجود آپ کو اچھی طرح جاننے کے پھر بھی وہ آپ کی حیات سے آجکل بکلی ناواقف ہے۔جس کا نمایا ثبوت یہ ہے کہ۔ان کی مشہور تصانیف جو آج کل طبع ہوتی ہیں۔ان پر آپ کے اسم گرامی کے ساتھ مرحوم ومغفور کا لفظ لکھا جاتا ہے۔یہ بات اس پر دال ہے۔کہ آپ کی گوشہ نشینی

موجب ناواقفیت ہے اور پھر معمولی تعارف کرانا بھی شک میں ڈال دیتا ہے کہ آیا یہ وہی عبیداللہ بسمل ہے۔ یا کوئی اور۔ اس لئے مجھے تعارف نہیں۔ بلکہ تعارف کی یاددہانی کرانا ہے۔ آپ کے استاد جناب مولانا مولوی محمد حسن صاحب شعری تھے۔ جن کے کلام کو مرزا اسداللہ خاں صاحب غالب نے بھی مانا ہے۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ آپ دہلی گئے۔ اور آپ کا تعارف کسی نے مرزا غالب سے کرا دیا۔ اور کہا آپ شاعر بھی ہیں۔ مرزا صاحب نے فرمایا۔ کچھ تازہ کلام۔ مولوی صاحب نے فرمایا۔ تازہ کلام نہیں! آپ طرح مصرع دے دیں۔ میں ابھی یہاں پر ہی نظم لکھ دیتا ہوں۔ طرح مصرعہ دیا گیا۔ اور آپ نے وہاں بیٹھ کر نظم لکھی۔ جس کا ایک شعر یوں ہے۔

چشم مخمورے کہ یارب دوش ستِ ناز بود یک جہاں دل پائمال شوخی انداز بود

آپ کا دیوان سردار دیال سنگھ چیف آف مجیٹھ صاحب ٹریبون اخبار لاہور نے چھپوایا ہے۔ مرزا غالب نے آپ کی بہت تعریف کی۔ مولوی صاحب کے بہت سے شاگرد تھے۔ مگر آپ حضرت عبیداللہ صاحب بسمل کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کرتے تھے۔ کہ میرا علم یہ اٹھائیگا'' اور مولوی صاحب کا فارسی میں اس قدر بلند پایہ تھا۔ کہ جب آپ کی وفات ہوئی۔ تو آغا کلب عابد خاں صاحب ای۔ اے۔ سی۔ امرتسر صاحب دیوان اور کلب حسین خان نادر ڈپٹی کلکٹر نے (جو مرزا غالب کے شاگرد تھے) اور جن کا یہ شعر مشہور ہے۔

کون کہتا ہے کہ فن شاعری منحوس ہے شعر کہتے کہتے میں ڈپٹی کلکٹر ہو گیا

فرمایا۔ آج حافظ مر گیا، سعدی مر گیا، خاقانی مر گیا، فردوسی مر گیا، انوری مر گیا۔ باوجودیکہ مولوی صاحب نے ان کی ہجو بھی کہی تھی۔ اب میں حضرت عبیداللہ صاحب بسمل کی مایۂ ناز تصنیفات کے نام لے کر آپ کے تعارف کی یاددہانی کراتا ہوں۔

(1) ارجح المطالب فی مناقب علی ابن ابی طالب:

یہ کتاب کئی مرتبہ شائع ہو چکی ہے۔ جس پر شیعوں کے بڑے بڑے مجہتدین اور مشاہیر علماء شیعہ نے بڑے بڑے ریویو لکھے ہیں۔ حضرت بسمل صاحب فرمایا کرتے ہیں۔ کہ جن کتابوں پر مجھے ناز ہے ان میں سے ایک یہ بھی ہے۔

(2) ترجمان فارسی:

جس پر مولانا شبلی، مولانا ذکاء اللہ، مولانا حالی سید امیر علی، مولانا لطف اللہ علیگڑھی، بیل صاحب ڈائرکٹر مدارس پنجاب وغیرہ وغیرہ نے ریویو لکھے۔ سید ممتاز علی صاحب مالک رفاہ عام سٹیم پریس لاہور نے چھاپی۔ اور یہ کتاب چند سال تک پنجاب کے مڈل کورس سرمایہ خرد اور پیرایہ خرد کے ابتداء میں بنام بول چال فارسی مدارس سرکاری میں رائج رہی۔ کچھ عرصہ بلوچستان کے سکولوں میں بھی زیر تعلیم رہی ہے۔

(3) حق الیقین:

یہ کتاب آپ نے پیغامیوں کے ردّ میں لکھی ہے۔ جس کی نسبت حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے فرمایا تھا۔ کہ ایسی کتاب آج تک سلسلہ احمدیہ میں نہیں لکھی گئی۔

(4) تذکرہ الشہادتین کا ترجمہ فارسی آپ ہی کی محنت کا نتیجہ ہے۔

(5) خاتم النبیین:

یہ نظم فارسی میں ہے۔ اور آپ کی حال کی ایک مایہ ناز تصنیف ہے۔

(6) مرآۃ الاسلام:

یہ بھی آپ کی ایک مشہور تصنیف ہے۔

(7)دعوت الامیر کے فارسی ترجمہ میں آپ کے قلم کا بہت کچھ دخل ہے۔
(8)**النص الصریح فی اثبات وفات المسیح**۔اس میں آپ نے فارسی نظم میں ہی بحث کی ہے جو کہ معمولی کام نہیں۔
(9)**حیات بسمل**:
آپ کی حال میں ہی یہ مایۂ ناز کتاب چھپی ہے۔
آپ کی مسدس بسمل ایک مایۂ ناز تصنیف ہے۔جب کہ یہ کتاب فارسی روزنامہ حبل المتین کلکتہ کے ایڈیٹر کو بھیجی گئی۔تو روزنامہ حبل المتین نسبت مسدس بسمل نگاشتہ بود۔کہ''ایں کلام یکے از وطن پرستان اہل ایران است''،لیکن جب یہ مسدس بسمل رام پور میں ایران کے ملک الشعراء جناب سنجر صاحب کے سامنے پیش کی گئی۔تو سنجر نے لوگوں کے سامنے کہا۔''واللہ من بہتر ازیں نمیتوانم گفت''اور یہ وہی سنجر ہیں۔جن کے متعلق مولانا شبلی کہا کرتے تھے کہ یہ شعروں کی مشین ہے۔کیونکہ یہ ایک گھنٹہ میں دو تین سو شعر کہہ دیا کرتے تھے۔اور نواب رام پور نے ان کو ایران سے منگوا کر اپنا ملازم رکھ لیا تھا۔
امیر احمد صاحب امیر مینائی نے جو کہ نواب کلب علی خاں صاحب والئے ریاست رام پور کے استاد تھے۔حضرت بسمل کے حق میں''جوہر فرد'' کا لفظ تحریر فرمایا ہے۔جو کہ روئیداد کتب خانہ رامپور میں اب تک چھپا ہوا موجود ہے۔
ایک اور نامور اور مشہور شاعر منشی امیر اللہ تسنیم نے آپ کے حق میں ایک مثنوی لکھی ہے جو کہ روئیداد کتب خانہ رامپور میں اب تک چھپی ہوئی موجود ہے۔حیدر آباد کے مشہور شاعر حضرت گرامی جو کہ آپ کے گہرے دوست بھی تھے،فرمایا کرتے تھے کہ جیسا آپ کا کلام پُر معارف ہوتا ہے،ایسا ہم نہیں کہہ سکتے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الاول رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ جس قدر بسمل فارسی جانتا ہے کاش مجھ کو ایسی عربی آ جائے۔

سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے آپ کو فردوسی کا لقب عطا فرمایا ہے۔

تعلیم الاسلام ہائی سکول میگزین کا ایک مضمون:

مارچ ۱۹۳۲ء میں ''تعلیم الاسلام ہائی سکول میگزین'' میں ماسٹر نذیر احمد رحمانی نے جو اس رسالہ کے اردو حصّہ کے اڈیٹر تھے۔ مشاہیرِ سلسلہ احمدیہ کے زیرِ عنوان مولوی صاحب موصوف کے متعلق ایک مختصر سا مضمون لکھا، جو درج ذیل کیا جاتا ہے۔

آپ نے تحریر فرمایا

حضرت مولوی عبید اللہ صاحب بسمل اُن فریدِ زمانہ علماء میں سے ایک ہیں جنہوں نے حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اوائل زمانہ میں قبول کیا۔

آپ نے ۱۸۵۲ء کے لگ بھگ عالمِ رنگ و بُو میں قدم رکھا۔ سرزمینِ امرتسر کو آپ کی جائے پیدائش ہونے کا فخر حاصل ہے۔ آپ کے والد بزرگوار حضرت خواجہ مظہر جمال صاحب، حضرت امام علی شاہ صاحب نقشبندی مجددی کے مجاز خلیفہ تھے۔

حضرت مولوی صاحب کی تعلیم کی ابتداء فارسی سے ہوئی۔ اُن کے والد نے انہیں مولانا ابو محمد حسن صاحب شعری قادری کے پاس پڑھنے کے لئے بٹھایا۔ جب فارسی خوب آ گئی تو عربی پڑھنے کے لئے انہیں مولانا ابو عبد اللہ غلام علی قصوری کے پاس بھیجا گیا۔ مولانا صاحب وہابی تھے۔ ان کی صحبت میں اُن پر کچھ وہابیت کا رنگ چڑھ گیا۔ حضرت خواجہ مظہر جمال صاحب کو اس سے خطرہ پیدا ہوا کہ یہ کہیں وہابی نہ ہو جائیں۔ اور یہ بھی خیال تھا۔ کہ ان کو طب بھی سیکھنی چاہیے۔ اس لئے انہیں کچھ مدت بعد مولانا ابو عبد اللہ کے پاس سے اٹھا کر حکیم مراد

علی صاحب کے پاس بھیجا گیا کہ طب کی تحصیل کریں۔حکیم مرادعلی صاحب بڑے پکے اور غالی شیعہ تھےاور جوشخص ان کے پاس اٹھنا بیٹھتا تھا۔اس سے کچھ اس طرح اپنے عقائد کا اظہار کیا کرتے تھے۔کہ اس پر شیعیت کا رنگ چڑھ جاتا تھا۔یہ نوجوان تھے خلق متغیر،طبیعت سادہ تھی۔آہستہ آہستہ شیعیت اثر کر گئی۔حضرت خواجہ مظہر جمال صاحب حج بیت اللہ سے واپس لوٹے تو ان کے دوستوں نے انہیں اس بات کی طرف توجہ دلائی۔انہوں نے اس بات کے تدارک کے لئے انہیں حکیم مرادعلی صاحب کی صحبت سے منع فرمایا اور طبی تعلیم کی تکمیل کے لئے حکیم حسام الدین کے پاس جانے کی ہدایت دی۔یہاں اور ہی معاملہ ہوا۔یہ حکیم صاحب بھی تفصیلی تھے۔معتزل الاصول۔حضرت علیؓ کی افضلیت کی عقیدہ ان کی صحبت میں اور بھی پختہ ہو گیا۔

علمی شوق اور کارنامے:

حضرت مولوی صاحب کے علمی شوق اور مبلغ علم کا کچھ کچھ اندازہ اس بات سے ہو سکتا ہے۔انہوں نے طب پڑھی۔تو اتنی کے قانون،موجز نفیسی۔سدیدی۔اور شرح اسباب کی منتہیانہ کتابیں دیکھ ڈالیں۔اور نہ صرف دیکھ ڈالیں بلکہ ان پر کامل عبور حاصل کیا۔اور یہی ان دنوں طب کی انتہا تھی۔علاوہ بریں آٹھ سال تک ریاست رام پور کے کتب خانہ کے رجسٹرار رہے۔اور اس دوران میں عربی فہرست کتب مرتب کی۔

تفسیر تاویلات الکاشی کو شیخ محی الدین ابن عربی کی تصنیف قرار دیا جاتا تھا۔اس خیال کو آپ نے غلط ثابت کیا اور اصل مصنف کا پتہ نکالا۔

امام فخر الدین رازی نے ایک آیت قرآنی کا مصداق حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو سمجھا ہے۔انہوں نے ثابت کیا کہ یہ آیت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق نہیں۔بلکہ حضرت نبی کریم

فداہ ابی وامی کے متعلق ہے۔

پایۂ شعروسخن:

حضرت مولوی صاحب زبان فارسی کے نہایت بلند پایہ شاعر ہیں۔ان کی تصنیفات میں اسلام کے عروج وزوال کی سرگزشت کے موضوع پر ایک مسدس مدو جزر اسلام ہے۔اس کے متعلق صاحبؓ حبل المتین نے لکھا۔کہ''یکے از واطن پرستان اہل ایران تصنیف کردہ است''اورمشہورشاعر سنجر ایرانی نے کہا تھا۔کہ''واللہ!من بہتر ازیں نمے توانم گفت۔''منشی امیر اللہ تسنیم نے انہیں اپنے تذکرے میں ''جوہر فرد'' تک لکھا ہے۔

قبول احمدیت:

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دامن مبارک سے وابستگی کی تقریب یوں پیدا ہوئی۔کہ ایک تو قدیم سے ان کے خاندان اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے خاندان میں دوستانہ تعلقات قائم تھے۔اور آپس میں میل ملاقات اور خط وکتابت کی رسم جاری تھی۔ارجح المطالب جس میں حضرت علیؓ کی افضلیت ثابت کی گئی ہے۔چھپ کر شائع ہوگئی۔تو کسی نے ان کو ایک نسخہ حضرت مسیح موعو علیہ السلام کی کتاب سرّ الخلافتہ کا دیا۔کتاب کا پڑھنا تھا کہ آنکھیں کھل گئیں۔انہی دنوں انہیں خواب میں حضرت امام حسین علیہ السلام کی زیارت ہو ئی۔انہوں نے دیکھا کہ امام حسین علیہ السلام ایک شخص سے کہہ رہے ہیں۔کہ جاؤ! حضرت مرزا صاحب سے کہہ دو کہ میں آپ کے کہے پر یہاں آ گیا ہوں۔بس پھر کیا تھا۔حکیم محمد حسین صاحب قریشی مرحوم کے ہمراہ قادیان تشریف لائے۔اور بیعت سے مشرف ہوگئے۔

ایک نشان:

انہی دنوں حضرت صاحبزادہ عبداللطیف صاحب شہید قادیان تشریف لائے تھے۔ ایک دفعہ یہ ان کی قیام گاہ پر تشریف لے گئے۔ دیکھا کہ چند کتابیں پڑی ہیں۔ان میں سے ایک اٹھائی اور کھول کر پڑھنے لگے۔ وہ کتاب درثمین تھی۔اور پہلا شعر جس پر نظر پڑی یہ تھا کہ

کربلائے است سیر ہر آنم   صد حسین است درگریبانم

جی میں خیال کیا کہ بہت بڑا دعویٰ ہے۔ پھر اس کے بعد مسجد مبارک میں گئے۔حضرت مسیح موعود علیہ السلام ایک شخص سے باتیں کر رہے تھے۔حضور فرما رہے تھے۔کہ الولد سر لا بیۃ ۔ابھی یہ الفاظ حضور کے منہ میں ہی تھے۔ کہ حضرت صاحبزادہ صاحب بھی مسجد میں تشریف لے آئے۔اور ان کے پاس ہی بیٹھ گئے۔تھوڑی دیر کے بعد حضرت مسیح موعود علیہ السلام گھر تشریف لے گئے۔اس کے بعد حضرت مولوی عبدالکریم صاحب سیالکوٹی مرحوم نے حضرت صاحبزادہ صاحب سے پوچھا۔کہ آپ حسنی سید ہیں یا حسینی! صاحبزادہ صاحب موصوف نے فرمایا کہ ہمارا خاندان حسینی ہے

اس کے کچھ عرصہ بعد حضرت صاحب زادہ صاحب کابل تشریف لے گئے۔اور وہاں جا کر شہید ہو گئے۔اور ان کے شہید ہونے پر ان سب اشارات غیبی کے معنی کھلے۔

موجودہ حالات:

اب حضرت مولوی صاحب کا یہ حال ہے۔ کہ ضعف پیری سے دو قدم چلنا بھی محال ہو گیا ہے۔ دیار محبوب مدینۃ المسیح قادیان کے محلّہ دارالفضل میں اپنے مکان کی بیٹھک میں بیٹھے رہتے ہیں۔طبی مشورے کے لئے یا مذاکرہ علمی کے لئے دوست آتے ہیں۔اور گھنٹوں بیٹھ کر مستفیض ہوتے ہیں۔غیرت ایمانی کا یہ حال ہے۔کہ میں نے چند دن ہوئے یہ ذکر

کیا۔ کہ سنا جاتا ہے۔ کہ ڈاکٹر اقبال نے سال دوران میں زبان فارسی میں ایک مثنوی سلسلہ عالیہ احمدیہ کیخلاف لکھی ہے تو فرمانے لگے اگر کہیں سے ہاتھ لگے تو منگواؤ۔ ہم جواب لکھیں گے۔ اب میں جب کبھی حاضر خدمت ہوتا ہوں۔ تو فرماتے ہیں کہ وہ مثنوی نہ آئی۔
ایسے بزرگوں کی صحبت کی چار گھڑیاں بھی ہم لوگوں کے لئے جنہوں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا زمانہ مبارک نہیں پایا، اکسیر کا حکیم رکھتی ہیں۔

تفصیلی حالات:

۱۹۳۵ء میں ''مہتاب افضال رب ذوالجلال روشنی بخش خاندان خواجہ مظہر الجمال'' کے نام سے حضرت مولوی صاحب مرحوم کے ایک صاحبزادہ جمیل احمد صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ نے ایک کتاب لکھی۔ جو نہایت ہی قابل قدر ہے۔ اس کتاب کے ایک حصہ میں انہوں نے حضرت مولوی صاحب مرحوم کے حالات زندگی بھی لکھے ہیں۔ جو اس وجہ سے کہ ان کے ایک بیٹے کے لکھے ہوئے ہیں، بہت معتبر ہیں۔ اور چونکہ ان میں ایک حد تک آپ کے حالات زندگی پر تفصیل کے ساتھ روشنی ڈالی گئی ہے۔ اس لئے امید ہے کہ اس حصہ کا مطالعہ احباب کے لئے باعث دلچسپی ہوگا،

صاحبزادہ جمیل احمد صاحب نے لکھا:۔

حضرت خواجہ مظہر جمال قبلہ و کعبہ قدس اللہ بنصرہ العزیز کے دوسرے فرزند ہمارے والد حکیم مولوی صوفی خواجہ عبید اللہ صاحب بسمل احمدی ہیں۔ جنہوں نے مولانا مولوی ابوعبداللہ غلام علی صاحب قصوری سے بسم اللہ شروع کی۔ اور قرآن مجید جناب احمد ملا صاحب کشمیری سے پڑھا۔ اور فارسی کی کتاب متداولہ کا درس مولانا مولوی ابومحمد حسن شعری صاحب کی خدمت میں حاصل کیا۔ جن کی تربیت سے فارسی میں شعر بھی کہنے لگ گئے۔ عربی حاصل کرنے کے

لئے پھر مولوی غلام علی صاحب قصوری کا تلمّذ شروع کیا۔ جب تک حضرت شعری مرحوم سے استفادہ حاصل کرتے رہے، اپنے آبائی مذہب پر سنّی المشرب رہے۔ مگر مولوی غلام علی صاحب قصوری کی خدمت میں جانا تھا کہ طبیعت میں انقلاب کے آثار نمودار ہونے لگ گئے۔ والدین نے عباداللہ نام رکھا تھا۔ مولوی صاحب نے غلط قرار دے کر عبیداللہ کہنا شروع کیا۔ والد صاحب کو استاد کا ارشاد صحیح معلوم ہوا۔ ان کی تقلید سے عبیداللہ کہلانے لگ گئے۔ یہ پہلا تغیّر تھا جو اُن کی طبیعت میں واقع ہوا۔ انہیں دنوں میں امرتسر مقلدین اور غیر مقلدین کی کُشتی کا اکھاڑہ بن گیا۔ وجوب تقلید، رفع الیدین، آمین بالجہر، وضع الیدین علی الصدر و تحت السرہ پر بحثیں شروع ہو گئیں۔ والد صاحب حضرت امام ابوحنیفہ کی تقلید چھوڑ کر اپنے اُستاد کی تقلید کرنے لگ گئے۔ حضرت جدّ امجد خواجہ مظہر جمال صاحب حنفی المذہب تھے مگر غیر مقلدین کو بُرا نہیں کہتے تھے۔ البتہ دادی صاحبہ جو حضرت شاہ حسین قدس سرہ کے خلیفہ ثانی بڈھن شاہ صاحب کلانوری کی مرید تھیں، اُن کو اپنے اکلوتے بیٹے کا غیر مقلد ہونا سخت ناگوار گزرا۔ اور مولوی غلام علی صاحب کے پاس آنے سے روک دیا۔ قرب و جوار میں حکیم مراد علی صاحب بٹالوی رہتے تھے۔ طبّ سیکھنے کے لئے اُن کے مطب میں جانے کا حکم دیا۔ شیعہ مذہب کے دِلدادہ حکیم کو ایک نوعمر بےخبر سنّی شاگرد کی تبلیغ کا موقع ہاتھ آ گیا۔ طبّ کے ساتھ ساتھ شیعہ مذہب کی تلقین شروع کر دی۔ حضرت جدّ بزرگوار نے یہ خبر سُن کر حکیم کے پاس جانا روک دیا۔ خطائے بزرگاں گرفتن خطاست۔ لیکن اتنا عرض کرنے سے نہیں رُک سکتا کہ حکیم مراد علی صاحب کی صحبت کا اثر شیعہ پنے کا تو خدا نے اپنے فضل سے دور کر دیا مگر حقّہ کا مرض ایسا لگا کہ چھٹنا محال ہو گیا۔ اور حکیم حسّام الدین صاحب کے مطب حاضر رہنے کی تاکید فرمائی۔ انہی دنوں حضرت دادا صاحب انار اللہ برہانہ حسبِ الحکم حضرت قطب العارفین سیّدنا

امام علی شاہ صاحب ریاست ٹونک میں تشریف لے گئے اور اُن کی غیبت میں والد صاحب کو بغیر کسی مزاحمت کے شیعہ مذہب کے متعلق معلومات حاصل کرنے کا ایک اور موقع ہاتھ آ گیا۔ یعنی انہیں ایام میں امرتسر کے ہائی سکول کی ہیڈ عربک ٹیچری پر پانی پت سے مولوی ابراہیم صاحب شیعہ پیش نماز آ گئے۔ والد صاحب کو عربی علم ادب سے پہلے ہی لو لگی ہوئی تھی۔ وقت کو غنیمت سبعہ معلّقہ، حماسہ، حریری وغیرہ پڑھنے کے لئے اُن کے درس میں جانے لگے۔ اور امامیہ مذہب کا گہرا رنگ حاصل کر لیا۔ مگر چونکہ آباعن جدّ شیعہ نہیں تھے۔ اور حضرت شعری مرحوم سے سُن رکھا تھا

دشنام بمذہبیکہ طاعت باشد مذہب معلوم واہل مذہب معلوم

اس لئے مجلس تبرا میں جانے سے ہمیشہ کنارہ کش رہے۔ جب حضرت قبلہ جدّ بزرگوار دنیا سے جنت کو سدھار دے۔ تو والد صاحب بمبئی جا کر ایک پارسی ملا خسرو کے شاگرد سے ژند و پاژند واوستا سیکھنے لگے۔ ابھی اس کے ایک دو صفحے ہی پڑھے تھے کہ پارسیوں اور سیدوں میں چھیڑ شروع ہو گئی۔ والد صاحب ژند واوستا کے پڑھنے سے مجبوراً دست کش ہو کر اہل ایران کی خدمت میں جا کر اصطلاحات ومحاورات جدیدہ اخذ کرنے لگے۔ اور کتاب ترجمان پارسی کا مسودہ مرتب کیا۔ اتفاقاً جنرل عظیم الدین خان بہادر مدار المہام ریاست رام پور کسی سرکاری کام کے لئے بمبئی تشریف لے گئے۔ مولوی ریاض الدین صاحب ایف۔اے بریلوی کی وساطت سے والد صاحب کو جنرل بہادر کی مجلس تک رسائی حاصل ہوئی۔ جنرل صاحب اپنے ہمراہ رام پور لے آئے اور اس طرح علوم وفنون عربی وفارسی کے مشہور کتب خانہ رام پور تک رسائی حاصل ہوئی۔ اور والد صاحب کی دیرینہ آرزو برآئی، صواعق محرقہ، صواقع ملا نصر اللہ کابلی، تحفہ اثناء عشریہ، نزہتہ اثناء عشریہ، ازالہ الخین، آیات بینت، رمی الجرات وغیرہ سنی

وشیعہ کے باہمی ردّ وقدح کی کتابوں کا مطالعہ شروع کیا۔ ردّ وقدح سے دل اکتا گیا تو حضرت علی مرتضٰی کرم اللہ وجہہ کے مناقب کی کتابوں کا دیکھنا پسند آیا۔اور ارجح المطالب کی تالیف شروع کی ۔عظیم آباد پٹنہ ایشیا ٹک سوسائٹی کلکتہ کی لائبریری، کتب خانہ آصفیہ دکن اور ہندوستان کی دیگر لائبریریوں اور مشہور خانگی کتب خانوں کو دیکھتے پھرے اور سات سال میں مسودہ مرتب کیا۔ کتاب کے لکھتے ہی لکھتے چند واقعات کو پڑھ کر خیالات بدلنے لگ گئے ۔اور شیعیت کے عمیق گڑھے سے ابھر کر معتزلہ کے اصول کے مطابق تفصیلی بن گئے ۔اور کتاب کا دیباچہ لکھا۔اس میں کھلے لفظوں میں اقرار کیا۔

پاس ادبم بر چہار است ۔لیکن بہ علی ہزار کار است

والد صاحب کی علو ہمت قابل داد ہے کہ اس وقت رام پور کے نواب صاحب بہادر حامد علی خان شیعہ تھے ۔مگر آپ نے کتاب کو ان کے نام پر معنون نہ کیا، نہ ان سے صلہ لیا۔اور نہ انعام لینے کی آرزو کی ۔ رام پور کی رہائش کے دنوں میں مسدس مد وجزر اسلام پر قلم اٹھایا۔جس کی نسبت کلکتہ کے فارسی اخبار حبل لمتین نے لکھا:۔

''یکے از وطن پرستان اہل ایران'' اور سنجر ایرانی مشہور شاعر شیوا زبان نے کہا

'واللہ من بہتر ازیں نمے توانم گفت''

منشی امیر احمد صاحب امیر مینائی استاذ الاساتذہ ہند اور منشی امیر اللہ صاحب تسنیم نے والد ماجد بسمل صاحب کی مدح سرائی میں جو کچھ لکھا۔ وہ ریاست رام پور کے کتب خانہ کی رپورٹ میں آج تک درج ہے۔

ارجح المطالب مسدس مد و جزر اسلام اور ترجمان فارسی تینوں کتابیں لاہور میں آ کر مختلف چھاپہ خانوں میں چھپوائیں ۔ارجح المطالب کی نسبت تمام ہندوستان میں شہرت ہوگئی کہ ایسی

کتاب آج تک ہندوستان میں نہیں لکھی گئی۔لیکن اہل السنّت اس خیال سے کہ حضرت علیؓ کے مناقب میں غلو سے کام لیا ہے۔اور اہل تشیع اس تعصب سے کہ حضرت ابوبکرؓ کی نسبت بھی اپنا حسن اعتقاد ظاہر کیا ہے، ناک بھوں چڑھانے لگے۔لیکن باوجود اس کے بعض مصنفین نے اپنی کتابوں میں تعریفی الفاظ لکھے ہیں۔اور آج تک اس کے متعدد ایڈیشن نکل چکے ہیں۔

ترجمان پارسی کو سید ممتاز علی صاحب مالک رفاہ عام سٹیم پریس لاہور نے بڑے اہتمام سے نہایت خوشخط چھاپا۔اور شمس العلماء مولوی شبلی نعمانی جیسے نقاد سے اور شمس العلماء مولوی الطاف حسین صاحب حالی جیسے دقت پسند مصنّف سے اور مولوی ذکاءاللہ صاحب جیسے عالی دماغ پروفیسر سے اور سید امیر علی صاحب بیرسٹر ایٹ لأ سے اور خان بہادر پیرزادہ محمد حسین خاں صاحب ایم۔ اے ڈسٹرکٹ جج سے اور بیل صاحب بہادر ڈائرکٹر سررشتہ تعلیم پنجاب سے ریویو حاصل کر کے ٹیکسٹ بک کمیٹی میں پیش کر کے تین سو روپیہ انعام حاصل کیا۔اور مدارس پنجاب کے کورس سرمایہ خرد، پیرایہ خرد، گنجینہ خرد کے ابتدائی صفحات ترجمان پارسی کے انتخابات سے مزیّن ہوئے۔اور تخمیناً دس سال تک زیرِ تعلیم رہے۔

لاہور میں مثنوی مرأۃ الاسلام لکھی جو امرتسر کے مطبع روز بازار میں چھپی۔جس کی نسبت مولوی سیّد امیر احمد شاہ ساحب رضوانی پروفیسر گورنمنٹ کالج لاہور اکثر فرمایا کرتے تھے کہ یہ کتاب اسلامی سکولوں میں رائج ہونے کے قابل ہے۔

انہیں ایّام میں امیر اللہ خان والئی کابل کے خسر طرزی صاحب قسطنطنیہ سے لاہور میں آئے۔ اور بوجہ سابقہ تعارف کے مولوی محبوب عالم صاحب ایڈیٹر پیسہ اخبار کے مکان پر فروکش ہوئے۔ چونکہ طرزی صاحب فارسی کے کہنہ مشق شاعر اور نہایت شعر فہم اور قدر دانِ شعراء تھے۔مولوی محبوب عالم صاحب حضرت قبلہ والد صاحب کو بھی اپنے ساتھ ملاقات کے لئے

گئے۔طرزی صاحب مرأۃ الاسلام کو پڑھ کر کہنے لگے۔اب ہمارا ہندوستان کا سفر بیکار نہیں گیا۔ایں تحفہ را بکابل خواہیم بود

مولوی محبوب عالم صاحب نے والد صاحب سے درخواست کی کہ

ترجمانِ پارسی کی طرز پر ایک کتاب لکھیں۔اور ساتھ ساتھ اردو ترجمہ بھی ہو۔اور مختصر فارسی مکاتیب بھی ہوں۔چنانچہ والد صاحب نے فارسی بول چال لکھی اور پیسہ اخبار کے چھاپہ خانہ میں چھاپی گئی۔اور بلوچستان کے سرکاری مدارس کے مڈل کورس میں مدت تک جاری رہی۔

ابھی والد صاحب لاہور ہی میں مقیم تھے کہ بشپ لیفرائے نے زندہ نبی کے عنوان سے اشتہار نکال کر اہلِ اسلام کے تمام فرقوں کو دعوت دی۔جب بشپ نے دورانِ تقریر میں تمام انبیاء کو مردہ اور حضرت عیسٰی کو زندہ ثابت کر کے جمیع انبیاء پر حضرت عیسٰی کی افضلیت کا دعویٰ پیش کیا تو سب مقلد و غیر مقلد، اہلِ الحدیث، اہل قرآن، اہلِ السنّت والجماعت اور اہلِ تشیع یہ ڈینگ سن کر خاموش رہے۔صرف حضرت ڈاکٹر مفتی محمد صادق صاحب احمدی نے قرآن و حدیث اور انجیل سے حضرت عیسٰی علیہ السلام کی وفات اور رفع روحانی پر واضح دلیلیں بیان کرنی شروع کیں۔

دیوانہ را ہوائے بس است

والد صاحب کی تحقیق طلب طبیعت شیعہ و سنّی کے جھگڑے کو پسِ پشت ڈال کر احمدیت کی طرف مائل ہوگئی۔سب سے پہلے براہینِ احمدیہ کا غور سے مطالعہ کیا۔پھر مسک العارف دیکھی۔پھر سرّ الخلافہ، حمامتہ البشریٰ اور اسلامی اصول کی فلاسفی کو پڑھا اور خوب غور سے پڑھا۔اور قادیان پہنچ کر اپنے ہادی کامل حضرت مرزا غلام احمد صاحب مسیح موعود و مہدی معہود علیہ السلام کے آستانِ مبارک پر جا ڈیرہ لگایا

نقشبندی بودو نقشش خوش نشست

تابرنگِ احمدیّت نقش بست

یہاں تعلیم الاسلام کالج کے پرشین پروفیسر ہو گئے۔ کتاب تذکرۃ الشہادتین کا فارسی میں ترجمہ کیا۔ جو مطبع ضیاء الاسلام قادیان میں چھپا۔ سیّدنا علامہ زمان فخر الاسلام حکیم الامۃ مفسّر قرآن حضرت مولانا نورالدین صاحب کا درس قرآن سنا۔ نہ سنّی رہے، نہ شیعہ، نہ تفضیلی، ہاں ٹھیٹھ مسلمان بن گئے۔

ابھی دو چار سال قادیان میں گذارے تھے کہ باز پیلم دید ہندوستاں بخواب پھر ایک غرض سے رامپور پہنچے اور نواب حامد علی خان بہادر فرمانروائے ریاست رامپور نے باوجودیکہ والد صاحب نے کہہ بھی دیا کہ میں احمدی ہوں، باصرار اپنے پاس ملازم رکھ لیا۔ اور ہائی سکول میں عربی ہیڈ مدرسی پر مامور کیا۔ والد صاحب کے وہ مناظرے جو اُن دنوں شیعوں کے ساتھ پیش آئے۔ اگر ان کو یہاں لکھا جائے تو میرا خیال ہے کہ ایک ضخیم کتاب تیار ہو جائے۔ والد صاحب کو حق الیقین فی تحقیق معنی خاتم النبیین کا مسودہ مرتب کرنا تھا، جس کے لئے انہوں نے رامپور میں چند سال تک اپنا قیام پسند کیا۔ ادھر کتاب کا مسودہ مرتب ہوا۔ اور اُدھر نواب صاحب کی طبیعت کو والد صاحب کے روزمرّہ کے مباحثوں نے منغض کر دیا۔ دوسری طرف سنّی وشیعہ ندمائے دربار نے کہنا شروع کر دیا کہ بسمل نہ سنّی ہے، نہ شیعہ، نہ وہابی ہے، نہ احمدی بلکہ پکّا خارجی ہے۔ ناچار والد صاحب کو بیک بنی و دو گوش وہاں نکلنا پڑا۔ مُلّا کی دوڑ مسجد تک۔ پھر قادیان میں واپس ہوئے اور حق الیقین کے چھپوانے کا اہتمام کیا۔ کتاب کا چھپنا تھا کہ

قدم رکھتا ہے چکر پاؤں کا پرکارِ دوراں پر

بھوپال کی ریاست کوسدھارے۔اوردوکتابیں نظم میں لکھیں۔ایک ''خاتم النبیین''اوردوسری ''حیات بسمل''، خاتم النبیین توشام وایران تک پہنچ چکی۔اورغالباً لنڈن کے کتب خانہ میں کسی الماری میں رکھی گئی ہو۔حیات بسمل ایک رندانہ مثنوی ہے۔آپ خداتعالیٰ کی جناب میں رندانہ مناجات کرتے ہیں۔

اے خدا!اگر چہ عذر من لنگ است — نالہ ام نیز خارج آہنگ است

رحم فرماوحرف من بشنو — درہم از عرض حال بندہ مشو

من نہ ازمکہ کعبہ دزدیدم — بت بے جان نہ من پرستیدم

من نہ درہیکل سلیمانی — نصب کردم صلیب نصرانی

من نہ کشتم جناب یحییٰ را — نکشیدم بدارِعیسیٰ را

من پرستارسومنات نیم — خادم لات یامنات نیم

خودتودانی کہ من مسلمانم — ہست توحیددین وایمانم

پس چرا امیدہی مرا تعزیر — خاصتہ ایں زماں کہ گشتم پیر

قشقہ دیدی اگر بہ جبہہ من — بے محاباسرم زتن برکن

دیدہ گرصلیب درگردن — گردن من بہ تیغ تیز بزن

برکمر دیدۂ اگر زنار — خون بحل کردمت بکش بردار

گرنہ آن دیدۂ نہ ایں بامن — استخوانم مکوب درہاون

دست موسیٰ زتونے خواہم — دم عیسیٰ زتونے خواہم

لحن داؤدہم نے خواہم — معجز ہودؑ ہم نے خواہم

صبرایوب ہم نے خواہم — حزن یعقوب ہم نے خواہم

ملک داری زتو نمے خواہم — شہر یاری زتو نمے خواہم
تاج شاہی زتو نمے خواہم — کج کلاہی زتو نمے خواہم
تخت طاوس رانمے خواہم — بخت کاؤس رانمے خواہم
جام جمشید ہم نمے خواہم — طشت خورشید ہم نمے خواہم
جاہ کیخسر وی نمے خواہم — ملکت کسروی نمے خواہم
صولت سنجری نمے خواہم — دولت اکبری نمے خواہم
من بدخشاں زتو نمے خواہم — بحر عماں زتو نمے خواہم
رود جیحوں زتو نمے خواہم — نہر سیحوں زتو نمے خواہم
ملک ایران زتو نمے خواہم — دشت توراں زتو نمے خواہم
ہندوسندوعرب نمے خواہم — مصروشام وحلب نمے خواہم
آسمان وزمین نمے خواہم — ازتو عرش بریں نمے خواہم
ازتو خواہم کہ یار من باشی — مونس جان زار من باشی
وقت مردن بیاد من آئی — دردل بے مراد من آئی
چوں زدنیا رہ سفر گیرم — لطف فرما بیادتو میرم
تا بیادتو بگذرم از ہوش — نام تو گیرم وشوم خاموش
از بدن چوں رواں رواں گردد — نام پاک تو درد ہاں گردد
للہ الحمد برزباں باشد — حسبی اللہ دردجاں باشد

انڈیا بھر میں کوئی لائبریری ایسی نہیں جس میں والدصاحب نے اپنے نام کے ساتھ اپنے والد ماجد قبلہ حضرت خواجہ مظہر جمال صاحب قدس سرہ کا نام نہ پہنچایا ہو۔ کیونکہ آپ کی تصنیفات

اکثر کتب خانوں میں دیکھی گئی ہیں۔اور دور دور تک ان کا چرچا پھیلا ہوا پایا ہے۔گوآپ فقیرانہ زندگی بسر کرتے رہے ہیں۔اور کرتے ہیں۔مگر جس قدر کہ تصنیفات کے ذریعہ سے آپ کوشہرت حاصل ہوئی ہے۔وہ ہمارے خاندان کے معزز سے معزز رشتہ دار کو حاصل نہیں ہوئی۔والحمدللہ علی ذالک۔آپ کو تصانیف کا اس قدر شوق ہے کہ اب بھی کتاب ''اسلامی اصول کی فلاسفی'' کا ترجمہ فارسی میں کر کے ایران بھیج رہے ہیں۔کسی کو روپیہ کمانے کی فکر ہے۔تو ان کو نام کمانے کی۔گو ہمارے لئے کچھ نہیں چھوڑا مگر ہم خوش ہیں کہ اپنا نام چھوڑ چلے ہیں۔خدا کا شکر ہے کہ جیسے ہمارے دادا صاحب قبلہ نامور تھے۔ ہمارے والد صاحب بھی نامور ہیں۔ جہاں تاریخ میں اور مصنفین کا نام رہے گا۔خدا کی درگاہ سے امید ہے کہ ہمارے مفلس والد صاحب کا نام بھی اس فہرست کے کسی گوشے میں جلی حروف سے نہ سہی دھندلے حروف ہی میں سہی ضرور نظر آئے گا۔والد صاحب حضرت بسمل صاحب کی لاطمعی کا ہمیشہ یہ حال رہا ہے کہ باوجود اس کے کہ ہماری دوسری سوتیلی والدہ ماجدہ زینب بی بی بنت پیرامیر صاحب مخدومی کی ہمشیرہ خان بہادر ڈپٹی مہدی خان صاحب رئیس اعظم ہریانہ،وزیر ریاست بہاولپور کے نکاح میں تھیں۔والد صاحب ان کے ہم زلف اور ایک دوسرے کے معرف بھی تھے۔اور یہی پاپچے کا رشتہ خان بہادر سید محمد امیر انسپکٹر آنریری مجسٹریٹ لاہور سے بھی تھا۔مگر والد صاحب بجز چند ملاقاتوں کے ان دونوں سے کم ملتے رہے۔ بلکہ ہماری سوتیلی والدہ نامبر دہ نے اپنے انہی دونوں بہنوئیوں کے گھر میں زیادہ رہائش کی وجہ سے موقعہ دیا۔ کہ والد صاحب نے اپنی تیسری شادی غلام محمد خان افغان عرف غلامی خان صاحب کی بڑی صاحبزادی عظمت النساء بیگم صاحبہ سے کر لی۔ جو بیچاری تپ دق کی بیماری جہیز میں اپنے ساتھ لے کر آئیں۔اور ایک شب مہمان رہ کر والدین کے گھر میں واپس جا کر گیارہ مہینے

بیماررہ کرفوت ہوگئیں۔اور والد صاحب ان کی بیماری اور کفن دفن کے اخراجات سے مقروض ہو گئے۔ والد صاحب اب تک اس مرحومہ کو ہمیشہ مغفرت کی دعا سے یاد کرتے ہیں۔دور جانے کی بات نہیں۔آپ کی تایازاد رضاعی بہن ہماری پھوپھی صاحبہ مخدومہ مکرمہ اللہ رکھی صاحبہ زوجہ جناب شیخ علی احمد صاحب وکیل گورداسپور میں قیام پذیر ہیں۔اور گورداسپور کے فرزندارجمند شیخ محمد نصیب صاحب بیرسٹرایٹ لاء گورنمنٹ ایڈوکیٹ گوداسپور میں قیام پذیر ہیں۔اور گوداسپور قادیان سے پندرہ میل کے فاصلہ سے زیادہ نہیں ہے۔مگر والد صاحب سالہا سال سے قادیان میں رہنے پر بھی شائد عمر بھر میں ایک دو دفعہ ان سے ملے ہوں ۔حالانکہ جناب شیخ صاحب والامناقب اپنے ماموں صاحب کے دیکھنے کے از حد مشتاق ہیں۔اسی طرح سے اپنے بھتیجے داماد جناب علی محمد صاحب سیشن جج امرتسر میں رونق افروز ہیں۔اور امرتسر تک کوئی زیادہ فاصلہ نہیں۔ریل میں صرف دو گھنٹے کا سفر ہے۔مگر اللہ رے کم آمیزی کہ والد صاحب باوجود سابقہ محبت کے ان کے در دولت پر بھی جانا گوارا نہیں فرماتے۔مگر یہ بھی نہیں کہ رشتہ داروں سے نہ ملتے ہوں۔یا خشک مزاگی کی وجہ سے الگ تھلگ رہنا پسند کرتے ہوں۔نہیں بلکہ جب کبھی بٹالہ میں جانے کا اتفاق ہوتا تھا۔تو آپ ضرور اپنے تایا صاحب کی بیٹی فضل بی بی صاحبہ کے داماد میاں محمد بخش صاحب کو ملتے اور ان کے گھر بھی جاتے اور اپنی بھانجی رحیم بی بی صاحبہ کے سر پر بھی محبت سے ہاتھ پھیرتے۔یہ نہیں کہ والد صاحب اپنے عزیزوں اور رشتہ داروں سے نہیں ملتے یا ان سے محبت وانس نہیں رکھتے۔مگر طبیعت کی افتادہی ایسی واقع ہوئی ہے۔کہ بوجہ اپنی کم مائیگی اور سادگی کے دولت مند رشتہ داروں کی ملاقات سے ہچکچاتے رہے ہیں۔نہیں ہچکچائے تو اپنے بھتیجے جناب خواجہ مظہر حسین صاحب ایل ایل بی بھتیج داماد جناب محمد حسین خان صاحب مرحوم احمدی پوسٹ ماسٹر گورداسپور

سے جناب خان صاحب مرحوم ایک باخدا اور درویش انسان مبارک نفس تھے۔ہاں یاد آ گیا جب نواب حمید اللہ خان صاحب فرمانروائے ریاست بھوپال مسند نشین ہوئے اس وقت والد صاحب نواب ولیعہد بہادر نصر اللہ خان صاحب کے ہم زلف ظفر یاد خان صاحب کی کوٹھی پر بھوپال میں فروکش تھے۔اور حیات بسمل کا مسودہ درست کر رہے تھے۔ایک شاعر خوش طبع فارسی زبان کا مطلا و مذہب قصیدہ مدحیہ لائے۔جوانہوں نے نواب صاحب بہادر کی مسند نشینی کی تقریب سے نہایت خوش خط لکھا ہوا تھا۔اور ہر ایک مصرعہ سے مسند نشینی کی تاریخ نکالی ہوئی تھی تاکہ ظفریاب خان صاحب کے واسطے سے دربار میں پیش کر کے حسب دلخواہ صلہ حاصل کریں ۔والد صاحب کے پاس آ کر بیٹھ گئے اور کہنے لگے آپ کیا لکھ رہے ہیں ۔والد صاحب نے کہا مثنوی ہے۔فرمانے لگے کیا میں اس کو دیکھ سکتا ہوں والد صاحب نے مسودہ پیش کر دیا۔خوب غور سے مثنوی کے متفرق مقامات کا مطالعہ کر کے کہا کہ کیا آپ نے نواب صاحب بہادر کی مسند نشینی کے متعلق بھی کوئی قطعہ یا قصیدہ لکھا ہے حضرت بسمل نے آہ بھر کر کہا مجھے اپنے نفس کو مرثیہ گوئی سے کہاں فرصت کہ مدحیہ اشعار لکھنے کی طرف توجہ کروں ۔وہ شاعر صاحب یہ سن کر رو دیئے۔

الغرض میں سچ سچ عرض کرتا ہوں کہ جب سے والد صاحب نے احمدیت قبول کی ۔اس روز سے بجز اپنے پیرومرشد کی مدح کے نہ غزل کے لئے قلم اٹھایا اور نہ قصائد مدحیہ کیلئے موت اور نہ مابعد الموت ہی کا رونا رویا۔اب جب کہ چلنے پھرنے سے بھی معزور ہو گئے ہیں۔اور ایک آنکھ میں پانی اتر آیا اور پھر بھی عینک لگائے ہوئے قلم چلائے جا رہے ہیں۔اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتاب اسلامی اصول کی فلاسفی کے فارسی ترجمہ میں ہمہ تن مصروف ہیں جو عنقریب ایران جا کر شائع ہوگا۔خدا کرے ان کی زندگی میں چھپ جائے۔

والد صاحب نے متعدد نکاح کئے اور اولاد بھی کثیر تعداد میں پیدا ہوئی مگر اس وقت بجز دو کس اور کوئی زندہ نہیں۔ ایک قبیلہ خواجہ مظہر اللہ شاہ صاحب اور دوسرا خاکسار جمیل احمد اس وقت آٹھ ربائب میں سے دو ربیب بھی موجود ہیں۔ جن کو اپنی انہوں نے اپنی اولاد سے بھی زیادہ محبت کے ساتھ پرورش کیا۔ ایک خالق رضا خان اور دوسرا ہادی رضا خان۔ مجھ پر بھائی صاحب خواجہ مظہر اللہ خان صاحب کی مہربانی تھی کہ شد بود حاصل کی اور اگر والد صاحب کی تربیت میں رہتا تو کچھ ہو جاتا افسوس کہ سوتیلی والدہ مہربان نے ان کے سایہ سے جدا کر دیا۔
والد صاحب کا پہلا نکاح اپنے تایا محمد گلاب خان صاحب مرحوم کی بڑی صاحبزادی عمر بی بی صاحبہ زوجہ بابا امیر الدین عرف امیر بخش صاحب مغفور کی نور العین نعمت بی بی صاحبہ جنت آرامگاہ سے ہوا۔ ان کے انتقال کے بعد آپ نے پیرزادہ امیر پیر صاحب خلف الصدق یحیٰی پیر صاحب مخدومی کی دختر زینب بی بی صاحبہ مخدومہ سے نکاح کیا۔ جس سے ہماری خواہر والا گوہر زبیدہ خاتون تولد ہوئیں۔ اور وہ عین شباب میں قادر شاہ ولد حیدر شاہ صاحب کے نکاح میں دو صغیر السن لڑکے اور تین لڑکیاں چھوڑ کر والدین کو داغِ مفارقت دے گئیں۔ ایک برخوردار کا نام ظہور شاہ دوسرے کا مقبول شاہ ہے۔ ہماری بڑی خواہر زادہ چندہ بیگم جوانی میں اپنی والدہ ماجدہ کی وفات کے بعد ایک بچہ چھوڑ کر جنت الفردوس میں جا بسیں۔
تیسری بیوی والد صاحب کی عظمت النساء بیگم تھیں۔ ان کے والد ماجد کا نام غلام محمد خاں عرف غلامی خاں تھا۔ تھوڑے دِن شادی کے بعد زندہ رہیں۔ اُن کے مرنے کے بعد امرتسر سے والد صاحب کا دِل اچاٹ ہو گیا اور رامپور چلے گئے۔ رامپور میں چند روز بحالتِ تجرد رہے۔ مگر لوگوں کے کہنے سننے سے مغفرت مآب میر احسان علی صاحب مرحوم کی دختر بلند اختر بشر النساء بیگم صاحبہ سے نکاح کیا۔ جن کے بطن مبارک سے میرے قبلہ و کعبہ بھائی جان

خواجہ مظہر اللہ شاہ صاحب پیدا ہوئے۔ یہ مرحومہ والدہ ماجدہ بھی کمسنی میں ہی رحلت فرمائے عالمِ عقبٰی ہو گئیں۔ والد صاحب اُن کی عادات اور خصائل کے ازحد معترف ہیں۔ اور دعائے مغفرت سے یاد کرتے ہیں۔ اُن کی وفات حسرت آیات کے بعد اُن کی بڑی ہمشیرہ وحید النساء بیگم صاحبہ سے جو بیوہ ہو چکی تھیں، نکاح کیا۔ جب وہ بھی وفات پا گئیں تو مسمی بہادر نامی کی بیٹی عباسی بیگم سے نکاح کیا۔ یہ ایک لڑکا اور تین لڑکیاں پچھلے خاوند سے ساتھ لائیں۔ اور یہ نواب صاحب بہادر کی بیوی مغل جان صاحبہ کے اقارب میں سے تھیں۔ چند سال والد صاحب کے گھر میں رہ کر فوت ہو گئیں۔ والد صاحب نے کچھ عرصہ تجردانہ زندگی گزار کر جناب سدن خان صاحب افغان یوسف زئی کی چشم و چراغ قادری بیگم صاحبہ مخدومہ مکرمہ معظّمہ سے نکاح کیا۔ جن کے بطن سے یہ خاکسار جمیل احمد پیدا ہوا۔ خاکسار کی ولادت کے بعد والد صاحب کے دلی دوست اور دیرینہ رفیق ملاّ رفیق ملاّ حمید شاہ خانصاحب کی ہمشیرہ حسینہ بیگم صاحبہ کا شوہر علی رضا خاں فوت ہو گیا اور دو یتیم بچے چھوڑ گیا۔ ملاّ حمید شاہ خانصاحب نے والد صاحب کو اپنی اس بیوہ ہمشیرہ سے نکاح کے لئے مجبور کیا۔ اور والد صاحب نے قبول کر کے نکاح کر لیا اور وہ آج تک بقیدِ حیات ہیں۔ انصاف بالائے اطاعت اس میں شک نہیں کہ ہماری اس والدہ ماجدہ نے ہمارے والد صاحب کی خدمت گزاری کا پورا پورا حق ادا کیا ہے۔ اور اُن کی بیماری میں ایسی ہمدردی اور اخلاص دکھایا ہے جس کا ہم شکریہ ادا نہیں کر سکتے۔ اللہ تعالیٰ اُن کو جزائے خیر عطا کرے۔ آمین۔ خواجہ مظہر اللہ شاہ صاحب نے مولوی خیر الدین صاحب آفریدی کی صاحبزادی شفا خانم صاحبہ سے نکاح کیا جن کے بطن سے۔۔۔۔۔۔۔

☆خودنوشت حالات:

۱۹۳۳ء کا ذکر ہے کہ میں نے حضرت حکیم مولوی عبیداللہ صاحب بسمل کی خدمت میں عرض کیا۔ کہ آپ مجھے اپنے بعض حالاتِ زندگی لکھا دیں۔ تا کہ وہ آئیندہ نسلوں کے لئے محفوظ رہیں۔ مولوی صاحب موصوف نے میری اس درخواست کو قبول فرماتے ہوئے کہا۔ کہ آپ کسی فرصت کے وقت آجایا کریں۔ میں روزانہ تھوڑے بہت حالات آپ کو لکھا دیا کرونگا۔ چنانچہ ۴/اگست ۱۹۳۳ء بروز جمعہ بعد نماز عصر میں قلم دوات اور کاپی لے کر اُن کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔ اور انہوں نے اپنے حالات مجھے لکھانے شروع کر دیئے۔ درمیان میں کئی دفعہ ناغہ ہوا۔ کئی دفعہ مولوی صاحب بیمار ہوتے تو آپ حالات نہ لکھا سکتے۔ کئی دفعہ بعض لڑکیوں کو پڑھانے میں مشغول ہوتے تو میں بغیر کچھ لکھے کے واپس آجاتا۔ کئی دفعہ مجلس میں کوئی معزز دوست موجود ہوتے تو ان کی موجودگی میں بھی حالات نہ لکھا سکتے۔ اسی طرح بعض دفعہ بیماروں کی موجودگی حالات لکھانے کے مانع ہوتی۔ لیکن بہرحال میں باقاعدہ جاتا رہا۔ اور مجھے خوشی ہے کہ میری جدوجہد کام آئی اور میں کسی حدتک آپ کے حالات محفوظ رکھنے میں کامیاب ہو گیا۔ چنانچہ اب میں سلسلہ وار مولوی صاحب موصوف کی اس خودنوشت سوانح حیات کو احباب کے سامنے پیش کرتا ہوں۔ آپ نے فرمایا۔

والد ماجد کا نام۔ وطن اور ملازمت

میرے والدِ ماجد قوم ککے زئیاں دھرم کوٹ رندھاوا ضلع گورداسپور سے ہیں۔ اُن کا نام مہتاب خاں تھا۔ راجہ شیر سنگھ کے ملازمانِ دربار میں سے تھے۔ جب راجہ شیر سنگھ کو اجیت سنگھ سندھاوالیہ نے لاہور کے باغ شاہ بلاول کے دریچہ میں گولی کا نشانہ بنایا۔ اُس وقت

☆: ۲۱ جنوری ۱۹۳۹ء

میرے والد راجہ شیر سنگھ کے سر پر کھڑے تھے۔ شیر سنگھ کو گولی لگی اور یہ ایک دستی پنکھے کی آڑ میں ہو گئے اور بے ہوش ہو گئے۔ رات کو آٹھ بجے کے قریب ہیرا سنگھ نے اجیت سنگھ کو لاہور کے قلعہ میں محصور کر کے توپ چلائی تو اس کی دہل سے ان کو کسی قدر ہوش آیا۔ اور مردوں کے سینہ پر پاؤں رکھتے ہوئے شاہ بلاول کی بارہ دری سے نیچے اُترے اور سیدھا اپنے پیر حضرت امام علی شاہ صاحب سجادہ نشین رتّر چھتّر کی خدمت میں حاضر ہونے کے ارادہ سے رات ہی کو چل کھڑے ہوئے۔

پیر و مرشد کی اطاعت کا بے نظیر نمونہ:

دوسرے روز امرتسر پہنچے۔ امرتسر میں کچھ دیر قیام کر کے رتر چھتر تک پہنچے۔ حضرت امام علی شاہ صاحب نے اُن کو دیکھ کر فرمایا۔ مہتاب خاں! دنیا کا انجام دیکھ لیا۔ اب یہاں رہو۔ عقبٰی کی حالت سنوارو۔ نصف میل کے فاصلہ پر دھرم کوٹ تھا۔ لیکن چھتیس سال تک اپنے گھر کا منہ نہ دیکھا۔ اور پیر کی خدمت میں رہے۔ بعد اس کے میاں امام علی شاہ صاحب کے خلیفہ اکبر مولوی اعظم علی شاہ صاحب ٹونکی جو نواب وزیر الدولہ بہادر فرمانروائے ٹونک کے بہنوئی تھے، فوت ہو گئے۔ حضرت امام علی شاہ صاحب نے تعزیت کے واسطے انہیں نواب صاحب مرحوم کے پاس بھیجا۔ میری عمر اُس وقت پانچ سال کی تھی۔ دو سال نواب صاحب کے پاس رہے۔ نواب صاحب نے ایک ہاتھی اور دو ہزار روپیہ نقد اور چند کتابیں دے کر حضرت امام علی شاہ صاحب کی خدمت میں واپس کیا۔

مظہر جمال کا خطاب:

وزیر بُھلّر کے پتن سیدھا راستہ رتر چھتر کا اختیار کیا۔ اور حضرت امام علی شاہ صاحب کی خدمت میں دو ہزار روپیہ ہاتھی۔ اور جو کچھ کہ تحائف وزیر الدولہ بہادر نے بھیجے تھے پیش

گئے۔ حضرت امام علی شاہ صاحب نے مظہر جمال کا خطاب دیا۔ آپ اس خطاب سے تادمِ مرگ مشہور رہے۔ کوئی شخص مہتاب خاں نہیں کہتا تھا۔ بلکہ میاں مظہر جمال کہتے تھے۔

حضرت امام علی شاہ صاحب نے انہیں امرتسر میں اپنا خلیفہ مقرر کیا۔ حضرت امام علی شاہ صاحب خاندانِ نقشبندیہ مجدّدیہ کے سجادہ نشین تھے۔ اور بجز اس خاندان کے اور کسی کی بیعت نہیں لیتے تھے۔ آپ نہایت متبع سنت، پابندِ شرع راگ وغیرہ سننے سے مجتنب ایک صوفی سالک تھے۔ آپ کے ستّر یا بہتّر خلیفے تھے۔ جن میں سے حضرت حکیم الامۃ خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خُسر حضرت منشی احمد جان صاحب مرحوم بھی تھے۔ منشی احمد جان صاحب جب لدھیانہ سے تشریف لاتے تو اپنے پیر بھائی میاں مظہر جمال صاحب کے پاس ایک شب یا دو شب قیام فرماتے۔

حج بیت اللہ:

حضرت امام علی شاہ صاحب ۱۲۸۲ء ھجری میں انتقال فرما گئے۔ ان کے انتقال کے بعد میرے والد صاحب حج کو چلے گئے اور مدینہ منورہ ہوتے ہوئے مضمونِ حدیث **لا تشدد واالرحال الاثلثة مقام مسجدی ھٰذا ومسجد الاقصیٰ ومسجد الحرام۔** بیت المقدس چلے گئے۔ سال بھر بیت المقدس میں رہے۔ جب واپس آئے تو اُن پر تو ہب کا گہرا رنگ چڑھا ہوا تھا۔ بیعت لینے سے بہت متنفّر تھے۔ اُس وقت ایک کشمیر کے شاعر تھے۔ مولوی ابو محمد حسن شعری۔ انہوں نے اُن کے آنے کی یہ تاریخ کہی۔

از حرم مظہر جمال آمد
بادلِ شاد و خاطرِ آگاہ
گفت سال درودِ او شعری

ابداً　　　مظہراً　　　جمال　　　الٰہہ

اُن کی مہر کا سجع یہ تھا۔

عـــالـــم هـــمـــه مـــظـهـــر جـــمـــال اســـت

جب ان کا انتقال ہوا تو میر کرامت اللہ میر امرتسری نے ان کی وفات کی یہ تاریخ کہی۔

پئے　　سالِ　　تاریخ　　آں　　خوش　　خصال

بگوہا　　دیئے　　ہند　　مظہر　　جمال

ایامِ طفولیت:

غدر کو ابھی پانچ سال باقی رہتے تھے۔ کہ امرتسر میں میری پیدائش ہوئی۔ چھ سال کی عمر میں مولوی غلام علی صاحب قصوری الملقّب بہ ابی عبداللہ القصوری جو تمام امرتسر کے استاد اور نہایت مشہور و معروف عالم تھے۔ اُن کی خدمتِ میں قرآن شریف کی بسم اللہ ہوئی۔ اور ملّا احمد صاحب کشمیری کی خدمت میں قرآن شریف کو ختم کیا۔ فارسی حضرت اکبر شاہ صاحب کی خدمت میں شروع کی اور فارسی کے ساتھ عربی مولوی احمد اللہ صاحب۔ حضرت مولوی غلام علی صاحب کے شاگرد سے یعنی میزان الصرف اور صرف میر شروع کی۔ بعد ازاں حضرت مولوی محمد حسن صاحب شعری کی خدمت میں فارسی کی تکمیل کی۔ چونکہ اس اثنا میں میرے والد صاحب سفر میں تھے۔ حکیم مراد علی شاگرد مولوی گل علی صاحب بٹالوی سے طب شروع کی۔ حکیم مراد علی سخت متعصب شیعہ تھے۔ کچھ شیعیت کا رنگ مجھ میں آ گیا۔ اس اثنا میں جب والد صاحب سفر سے واپس آئے۔ اور لوگوں نے بیان کیا عبید اللہ پر شیعیت کا رنگ چڑھ گیا ہے۔ تو آپ نے طب کے سیکھنے کے واسطے حکیم حسام الدین صاحب کی خدمت میں بھیجا۔ لیکن وہ تفضیلی تھے (یعنی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو تو خلیفہ برحق مانتے مگر حضرت علیؓ کو

آپ سے افضل سمجھتے) شیعیت کا رنگ تفضیل کے ساتھ بدل تو گیا۔لیکن والد صاحب اکثر اس بات سے ناراض رہتے تھے۔اس اثناء میں مولوی احمداللہ صاحب نے مجھ کوحضرت مولوی غلام علی صاحب کی خدمت میں عربی پڑھنے کے لئے بھیج دیا۔اس وقت کافیہ اورشرح ملّا اور مؤطا امام مالک اُن کی خدمت میں شروع کی۔امرتسر کے ہائی سکول میں عربک ہیڈ مدرسی پر مولوی ابراہیم صاحب پانی پتی آ گئے۔چونکہ مجھ کوعلمِ ادب کا شوق تھا۔میں اُن کے پاس سبعہ معلقہ اورحماسہ پڑھنے کو اکثر جایا کرتا تھا۔مولوی ابراہیم صاحب پکے شیعہ تھے۔میری شیعیت کچھ اُن کی تعلیم سے اور بھی سخت ہوگئی۔

ایک یہودی اور مسلمان کا مکالمہ:

اسی اثنا میں سلیمان یہودی امرتسر میں آ نکلا۔علم عربی کا اچھا ماہر انسان تھا۔ایک روز مولوی ابراہیم صاحب کے پاس آیا۔اُس وقت ایک عیسائی دیال مسیح بھی بیٹھا ہوا تھا۔بخیالِ مناظرہ مولوی ابراہیم صاحب سے کہنے کہ آپ نبیؐ عربی کوسیدالمرسلین کہتے ہیں۔اور یہ حضرت موسیٰؑ کوسیدالمرسلین کہتے ہیں۔حضرت موسیٰؑ کی توریت کے ماننے والے یوشع نبی سے لے کر ملاکی نبی تک چلے آئے ہیں۔اورسب نے کہا کہ بنی اسرائیل میں ایسا نبی برپا نہیں ہوا۔اورسلیمانؑ اور داؤدؑ دونوں حضرت موسیٰؑ کی شریعت کے تابع تھے۔نبی عرب کی شریعت کا کون تابع ہے کہ آپ ان کوسیدالمرسلین کہتے ہیں۔مولوی ابراہیم صاحب چونکہ شیعہ تھے۔ کہنے لگے کہ ہمارے آئمہ اثنا عشر چونکہ انبیاء سے افضل ہیں۔ وہ حضرت نبی عرب کو سیدالمرسلین کہتے ہیں۔اس واسطے ہم بھی سیدالمرسلین کہتے ہیں۔سلیمان کہنے لگا۔امم سابقہ میں غیر نبی کا نبی سے افضل ہونا آپ ثابت کریں۔پھر میں تسلیم کرلوں گا۔کہ آپ کے آئمہ اثناءعشر انبیاء افضل تھے۔ورنہ آپ کا دعویٰ بغیر دلیل کے قابلِ سماعت نہیں۔مولوی ابراہیم

صاحب کچھ سٹ پٹا گئے جواب دینے سے قاصر رہے۔ انہی دنوں میں ایک دہریہ شخص ابوسعید ایرانی امرتسر میں آیا ہوا تھا۔ چونکہ علمِ طب میں اس کو بھی مداخلت تامہ تھی۔ میں نے موجز اس سے شروع کی ہوئی تھی۔ اُس کے پاس میں نے یہ قصہ بیان کیا۔ وہ سن کر کہنے لگا۔ نبی کا ہونا ممکن ہے یا غیر ممکن۔ اگر ممکن ہے تو پہلے بھی ممکن تھا۔ اب بھی اور اگر اب غیر ممکن ہے۔ تو اس وقت بھی غیر ممکن تھا۔ سلیمان کے سامنے مولوی ابراہیم صاحب کیا جواب دے سکتے ہیں۔ اِس خیال نے میرے دل پر بڑا صدمہ پہنچایا۔ اور یہ میرا خیال اُس وقت رفع ہوا۔ جب حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے دعویٰ نبوت کیا۔

پادری رجب علی کا عیسائیت سے تنفّر:

میرے عین شباب کے عالم میں جا بجا عیسائی کیٹکلیس (یعنی مبلغ) بیرون دروازہ رام باغ گرجے کے محاذ میں کھڑے ہو کر عیسائی مذہب کی منادی کیا کرتے تھے۔ اس خیال سے میرے ایک دوست امیر بخش نامی اور مولوی غلام نبی نے عیسائی مباحثات میں توریت اور انجیل کا مجھے مطالعہ کرایا۔ پادری رجب علی سفیر ہند پریس کے منیجر نے مجھ سے کہا کہ میں افسوس کرتا ہوں۔ آپ کیوں اپنی عمر کو اس طرف ضائع کرتے ہیں۔ توارت اور انجیل میں دھرا ہی کیا ہے۔ عیسائی مذہب کا مایۂ ناز مسئلہ تثلیث ثالوث اقانیم ثلاثہ۔ اب۔ ابن وروح القدس یہ انجیل سے ثابت نہیں ہوتی۔ تو عیسائی مذہب پادر ہوا ہے۔ غیر مذاہب کے سامنے خدا کا بیٹا اور تین خدا کہنا۔ اپنی عقل کا مضحکہ اڑانا ہے۔ اس خیال نے میرے دل کو عیسائی مذہب سے نفرت دلا دی۔

رامپور کا سفر:

پھر بوجہ باہمی نقاد کے جو مجھ میں اور میرے بڑے سوتیلے بھائی محمد حسین صاحب

میں جائیداد کی نسبت پیدا ہو گیا تھا۔ میں نے امرتسر کی سکونت کو ترک کر کے رامپور کا قصد کیا۔ اور بوجہ شاعری وہاں کا ملازم ہو گیا۔ یعنی رجسٹرار کتب خانہ بنا دیا گیا۔ اور میری تنخواہ پچھہتر روپے ماہوار مقرر ہوئی۔

پانچ سو روپیہ انعام:

اسی اثناء میں کپتان نلسن صاحب پرائیویٹ سکریٹری لفٹینٹ گورنر مما لک مغربی شمالی کا فارسی استاد مرزا محمد علی مکرانی بیمار ہو کر ایران چلا گیا۔ اس کی منشاء ہائی پران فینیشی کا امتحان دینے کی تھی۔ اس نے ریاست سے ایک استاد طلب کیا۔ ریاست نے خاکسار کو منتخب کر کے اُن کے پاس بھیجا۔ اُس نے ہائی پرافیشنسی کے امتحان میں کامیابی پر پانچ سو روپیہ کا انعام مجھ کو دیا۔ پھر کپتان نسبٹ صاحب نائب قونصل ایران بندر بوُ شہر جانے والے تھے۔ انہوں نے ریاست سے خاکسار کو طلب کیا۔ اور اپنے ہمراہ ترجمانی کے کام پر لے گئے۔ کیونکہ وہ اچھی طرح فارسی نہیں سمجھ سکتے تھے۔ لیکن میری یہ ملازمت پرائیویٹ تھی۔ یعنی میں ان کا نجِ کا ملازم تھا۔ جو خطوط وغیرہ لکھتے تھے۔ مجھ کو دکھلا لیتے تھے۔ سال بھر تک بندر بوُ شہر (ایران) میں اُن کے ساتھ رہا۔ اور دیوانِ قاآنی اور دیوانِ خاقانی شروانی مجھ سے پڑھتے رہے۔

کتاب ارجح المطالب کی تصنیف:

سال بھر کے بعد جب کپتان نسبٹ صاحب ولایت چلے گئے۔ تو خاکسار پھر ریاست میں واپس آ گیا۔ چونکہ تفضیلی خیالات کا تھا۔ اس واسطے حضرت علیؓ کے فضائل و مناقب لکھنے کا ارادہ ہوا۔ پورے چھ سال کی کوشش سے کتاب ارجح المطالب فی عدمناقب اسداللہ الغالب کا مسودہ تیار کیا۔

اس اثناء میں یہ خیال پیدا ہوا کہ چھٹی صدی ہجری سے پہلی تصانیف کو دیکھا جائے۔ کہ آیا حضرت علیؓ نے یا حسنین علیہما السلام نے حضرات شیخین کے حق میں کہیں سوءِ ظنی کا اظہار کیا ہے۔ یا نہیں۔ اِس ادھیڑ بُن میں شیعہ کی کتب کو جو کتب خانہ ریاست رامپور میں موجود تھیں۔ غور سے دیکھا۔ جب منشاء پورا نہ ہوا۔ تو بحصول رخصت لکھنؤ گیا۔ اُس وقت تین عالم مذاہب امامیہ کے بعہدہ مجتہدی قائم تھے۔ ایک مولانا حامد حسین صاحب مصنف عبقات الانوار۔ دوسرے مفتی محمد عباس۔ تیسرے سید ابراہیم صاحب۔ تینوں کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور اپنا خیال پیش کیا۔ نفی میں جواب ملا۔ میرے خیال نے پلٹا کھایا۔ کہ مدعی سُست گواہ چست۔ جب حضرت علیؓ اور اہل بیت ہی حضرات شیخین کی نسبت کوئی کلمہ سوءِ ادبی کا استعمال نہیں کرتے۔ تو ہم کون ہیں کہ ان کی نسبت بداعتقادی ظاہر کریں۔ اس وجہ سے خاکسار شیعہ مجالس عزّا وغیرہ کی شمولیت سے باز رہتا رہا۔ مگر کتاب کو پورا کیا اور لاہور میں آ کر جان محمد اللہ بخش کتب فروشان کشمیری بازاری لاہور کی وساطت سے چھپوایا۔

صوبہ پنجاب کی علمی خدمت:

اسی اثنا میں بیل صاحب ڈائریکٹر سررشتہ تعلیم پنجاب سے ملا انہوں نے کہا۔ کہ آپ نے صوبہ غیر میں ملازمت کی ہے۔ اور اپنے صوبہ پنجاب کی کوئی خدمت نہیں کی۔ اِس خیال نے میرے دل پر گہرا اثر کیا۔ میں نے کتاب ترجمان پارسی لکھی۔ جو سید ممتاز علی صاحب مالک رفاہِ عام سٹیم پریس لاہور نے چھاپی۔ پروفیسر ذکاء اللہ، مولانا حالی، مولانا شبلی، سید جسٹس امیر علی بیرسٹرایٹ لاء، مولانا لطف اللہ علی گڑھی اور خود بیل صاحب نے اس پر ریویو لکھے۔ اور ٹیکسٹ بک کمیٹی پنجاب نے تین سو روپیہ دے کر اس کو خرید لیا۔ اور اس کا انتخاب سرمایہ خرد۔ پیرائی خرد۔ گنجینۂ خرد۔ کتب مروجہ مدارس میں درج کر کے فارسی کورس میں شامل

کیا۔اس کے بعد فارسی بول چال مروجہ حال اہلِ ایران کی زبان کے مطابق لکھی ۔جس کو مالک پیسہ اخبار لاہور نے چھاپا۔ اور بلوچستان کے مدارس میں دیر تک رائج رہی۔اسی درمیان مسدس مدوجزر اسلام فارسی میں لکھا۔اخبار حبل المتین کلکتہ نے اُس پر یہ ریمارک کیا۔ ''یکے از وطن پرستانِ اہل ایران۔'' اس میں خاکسار کو گویا ایرانی بتایا۔سنجر ایرانی جس کو مولوی شبلی فارسی اشعار کی مشین کہا کرتے تھے۔جب اس نے دیکھا تو بے ساختہ کہہ اٹھا۔''واللہ من بہتر ازیں نمے توانم گفت۔'' یہ کتاب بھی چھپی ہوئی ہے۔بعد اس کے ایک مثنوی لکھی جس کا نام مرأۃ الاسلام رکھا۔وہ اخبار وکیل امرتسر مطبع روز بازار نے چھاپی۔ارجح المطالب کی نسبت علماءِ شیعہ نے اپنی کتابوں میں لکھا ہے کہ آج تک ہندوستان میں ایسی تصنیف نہیں ہوئی۔ جس کا اب پانچواں ایڈیشن چھپ چکا ہے۔

ایک رؤیا:

اسی اثناء میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دعویٰ کا چرچا سُنا۔اور قادیان میں حاضر ہوا۔اور بیعت سے مشرف ہوا۔جس زمانہ میں کہ شہزادہ عبداللطیف صاحب یہاں تشریف لائے ہیں۔میرا آنا ایک خواب کی بناء پر تھا۔ میں نے دیکھا کہ حضرت امام حسین علیہ السلام تشریف لائے ہیں۔اور ایک اونچے مقام پر برقعہ پہنے ہوئے کھڑے ہیں۔آنکھیں بہت روشن برقعہ سے باہر نظر آرہی ہیں۔ریش مبارک مجھے ایسا معلوم ہوا کہ کسی قدر سفید اور سیاہ ہے۔ پاؤں میں کھٹی بانات کا جوتا۔ میں نے سلام عرض کیا۔ارشاد ہوا کہ مرزا صاحب سے کہہ دو۔ میں آگیا ہوں۔ میں نے عرض کیا بہت بہتر۔ میں اس وقت لاہور میں تھا۔اس خواب کے دوسرے دن میں لاہور سے چلا۔قادیان میں پہنچا۔مہمان خانہ میں ٹھہرا۔ایک شخص کے ہاتھ میں درثمین دیکھی۔میں نے کھولا۔اور اس شعر پر نگاہ پڑی۔

کربلائے است سیر ہر آنم
صد حسین است در گریبانم

میں نے اپنے دل میں خیال کیا۔ بڑا دعویٰ ہے۔ میں وہاں سے مسجد مبارک پہنچا۔ مولوی عبدالکریمؓ صاحب بیٹھے ہوئے تھے۔ ابھی کچھ باتیں نہیں ہوئی تھیں۔ کہ اتنے میں صاحبزادہ مولوی عبداللطیفؓ صاحب آ گئے۔ صاحبزادہ مولوی عبداللطیفؓ صاحب اور مولوی عبدالکریم صاحب کی باہم گفتگو ہونے لگی۔ مولوی عبدالکریم صاحب نے اُن کا حسب نسب پوچھا۔ انہوں نے اپنا حسب نسب سادات کے خاندان سے بتایا۔ اور حضرت اقدسؑ کی نسبت پوچھا۔ مولوی صاحب نے کہا۔ کہ ابھی باہر تشریف نہیں لائے۔ صاحبزادہ مولوی عبداللطیف صاحب کہنے لگے کہ کوئی جا کر کہدے ''من آمدم'' یعنی میں آ گیا ہوں۔ اس وقت مجھ کو خواب یاد آ گیا۔ اور صاحبزادہ صاحب کی شکل وشباہت کچھ ایسی معلوم ہوئی۔ جو میں نے رؤیا میں حضرت امام حسین علیہ السلام کی دیکھی تھی۔ کچھ لہجہ بھی حضرت امام حسین جیسا معلوم ہوا۔ میں نے دل میں خیال کیا۔ کہ میں نے جنہیں خواب میں دیکھا تھا۔ وہ یہ ہیں۔ چونکہ یہ بھی حضرت امام حسین علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں۔ **الولد سر لابیہ**۔ میں ایک مہینہ روز رہ کر چلا گیا۔ صاحبزادہ مولوی عبداللطیف صاحب چندروز بعد لاہور میں ملے۔ اور واپس کابل تشریف لے گئے۔ اور شہید ہو گئے۔ اُن کی شہادت کی خبر سن کر

کربلائے است سیر ہر آنم
صد حسین در گریبانم

کے معنی مجھ پر منکشف ہو گئے۔

قادیان میں ملازمت:

اس کے ایک عرصہ بعد قادیان میں تعلیم الاسلام کالج کھولا گیا۔مولوی مبارک علی صاحب سیالکوٹی فارسی پروفیسر تھے۔وہ ملازمت چھوڑ کر سیالکوٹ چلے گئے۔مفتی محمد صادق صاحب ہیڈ ماسٹر تھے۔مفتی صاحب نے خاکسار کو خط لکھا کہ گو تنخواہ قلیل ہے۔مگر ایک دینی خدمت ہے۔اگر آنا چاہو تو یہ عہدہ تم کو مل سکتا ہے۔میں قادیان آ گیا۔اور بیس روپے ماہوار پر ایف۔اے کلاس کو پڑھاتا رہا۔پھر کالج ٹوٹ جانے کے بعد چار سال تک میں قادیان میں تعلیم الاسلام ہائی سکول میں پرشین ہیڈ ٹیچری کا کام سرانجام دیتا رہا۔

قادیان سے رامپور:

اسی اثناء میں نواب حامد علی خان صاحب والئے ریاست رامپور نے بوساطت اپنے پھُپھا چھٹن صاحب بہادر اور نانا صاحبزادہ عنایت حسن خاں عرف انھا میاں بار بار خط لکھ کر مجھ کو بلوایا۔ارادہ تھا کہ مجھ کو ولی عہد بہادر کا اتالیق مقرر کیا جائے۔مگر نواب صاحب کو میری پہلی ہی ملاقات میں جب یہ معلوم ہو گیا کہ میں احمدی ہوں۔تو انہوں نے ولی عہد صاحب بہادر کی اتالیقی پر مقرر کرنا مناسب نہ سمجھا۔اور ہائی سکول میں مولوی عبدالعلی عاصی مدراسی کو پنشن دے کر عربک ہیڈ ٹیچری پر مقرر کیا۔اور اسّی روپیہ ماہوار تنخواہ مقرر ہوئی۔

حق الیقین کی تصنیف:

چونکہ اس وقت میری غرض یہ تھی۔کہ خاتم النبین کے معرکۃ الآراء مسئلہ پر غور کروں جس کے واسطے بعض کتب کے مطالعہ کی ضرورت تھی۔اور رامپور کو ہندوستانی ریاستوں پر بوجہ جامعیت کتب خانہ فخر حاصل تھا۔اس لئے میں نے رامپور کا قیام پسند کیا۔اور کتاب حق الیقین لکھی۔جو چھپ چکی ہے۔اور جس کی نسبت حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہٖ

العزیز کی زبان مبارک سے یہ الفاظ باعثِ قدر افزائی ہوئے تھے کہ یہ اچھی تصنیف ہے۔اور جس قدر آج تک اس مسئلہ پر کتابیں لکھی گئی ہیں۔اُن سب سے زیادہ اس میں شرح وبسط موجود ہے۔

☆ شیعہ مذہب کے اصول کے متعلق ایک ذاکر سے گفتگو:

ایک دفعہ جب کہ میں لکھنؤ گیا۔تو لطافت اور فصاحت دو شاعروں کے مکان کے محاذ میں ٹھہرا۔ان سے بوجہ شعروشاعری گہری ملاقات ہوگئی۔وہاں ایک پیش نماز صاحب میر حسن یا میر حسین نامی تشریف لائے۔آپ بڑے خوش بیان ذاکر مشہور تھے۔جب میرا نام پوچھا تو چیں بہ چیں ہوکر کہنے لگے۔یہاں اہل بیت کے لئے ایسے نام زیبا نہیں۔میں نے عرض کیا لاعلمی سے رکھا گیا ہے۔کہنے لگے بدل دینا چاہئیے۔عرض کیا کہ اب بدلنا مشکل ہے۔فرمایا کہ شیعہ اصول سے آپ واقف ہیں! عرض کیا نہیں۔ذاکر صاحب نے کہا۔پانچ اصول ہیں۔توحید، رسالت، عدالت، امامت، معاد، میں نے کہا۔میری سمجھ میں نہیں آیا۔پھر ارشاد ہوا۔فرمایا۔توحید۔میں نے عرض کیا۔ٹھیک

قل ھو اللّٰہ احد. انما الٰھکم اللہ واحد. پھر فرمایا. رسالتؔ میں نے کہا بجا! **ما محمد الّا رسول . محمد رسول اللّٰہ والذین معہ اشدآء علی الکفار . ما کان محمدابا احدٍمن رجالکم.** تیسرا اصول ارشاد ہو! فرمایا۔عدالت۔میں نے عرض کیا۔ **ان اللہ بظلام لعبید.** جب ظالم نہیں تو عادل ہی سہی۔گو قرآن مجید میں تو عادل کا لفظ واقع نہیں ہوا۔مالک کا لفظ آیا ہے۔اچھا تسلیم کر لیتے ہیں۔چوتھا اصول ذاکر صاحب کے منہ سے نکلا۔معاد۔میں نے کہا یہ بھی درست۔ **ان الساعۃ اٰ تیۃٌ لاریب فیھا** ۔پانچواں اصول

☆: ۷فروری ۱۹۳۹ء

ارشاد ہو۔فرمایا۔امامت۔خاکسار نے عرض کیا۔**ماعلی الا امام** کہاں ہے؟اس کے اسطے نصِ صریح قطعیۃ الدلالت کونسی ہے؟ذاکر صاحب فصاحب صاحت کی طرف متوجہ ہوکر بولے۔اجی حضرت!ان کوسمجھانا کاردارد ہے۔

واقعاتِ کربلا:

دوسرے روز انہی کے مکان پر عشرہ محرم کا چہلم تھا۔ بہت زور شور سے مرثیہ خوانی ہوئی۔ حضرت قاسم کی شادی کا مرثیہ پڑھا گیا۔ جب مجلس ختم ہوچکی تو صاحب خانہ (فصاحت) میری طرف متوجہ ہوکر کہنے لگے۔کس شرح وبسط کے ساتھ دردآمیزاشعار میں مرثیہ پڑھا گیا۔میں نے عرض کیا کہ قاسم کی شادی کربلا میں ہوئی تھی؟اس کا راوی اول کون ہے؟ کیا حضرت امام زین العابدین ہیں۔یا اہل بیت میں سے کوئی عصمت مآب خاتون؟ کہنے لگے نہیں واقعات صحیحہ میں سے ہے۔میں نے کہا۔کربلا کا اصل واقعہ تو حضرت امام حسین کا سر جسدِ مبارک سے جدا کر کے ابنِ زیاد کے پاس لے گئے۔اورابنِ زیاد نے دمشق میں نیزے پر علم کر کے بھیج دیا۔تو یزید نے وہ کہاں رکھا؟ کیا حضرت امام زین العابدین کو دے دیا؟اگر حضرت امام زین العابدین کو حاصل ہوگیا تھا تو حضرت امام حسین کو دمشق میں دفن کیا یا راستہ میں۔یا مدینہ میں یا کربلا میں لاکر دفن کیا؟ آپ کسی صحیح روایت سے نہیں کسی ضعیف روایت سے ہی اس کی شرح وبسط بیان فرمائیں۔اس کے علاوہ اہل بیت کو جب کوفی اونٹوں پر سوار کر کے لے گئے تھے۔اورشہداء کربلا کے لاشے خاک وخون میں لتھڑے ہوئے چھوڑ گئے تھے۔تو جناب امام حسن کا جسد اطہر کس نے شناخت کیا اور کس نے دفن کیا؟ روایت میں ہے کہ بہتر نفوس حضرت امام حسین کے ساتھ شہید ہوئے۔ان بہتر لاشوں کو کس قوم نے آکر دفن کیا؟ وہ کون ایسا معتبر راوی ہے کہ جس نے یہ بیان کیا ہو۔کہ حضرت امام حسین کا جسد

مبارک اسی کربلا کے گنبد میں مدفون ہے؟ کیونکہ امام زین العابدین یا اہل بیت کو کوفیوں نے تو دفن کرنے کا موقعہ ہی نہیں دیا تھا۔ اور ان کو اونٹوں پر سوار کر کے کوفے کی طرف لے گئے تھے۔ اور کوفیوں میں سے بھی کسی نے حضرت کا لاشہ دفن نہیں کیا تھا۔ غرضیکہ مخالف اور موافق گروہ کا کوئی معتبر آدمی حضرت امام حسین کے دفن کی روایت کو بالتفصیل بیان نہیں کرتا۔ جب ایسا اہم واقعہ روایات میں نہیں آیا۔ تو کیونکر مانا جائے کہ قاسم کی شادی کربلا میں رچائی گئی تھی۔ پہلے حضرت امام حسین کی شہادت ہی پر پوری روشنی ڈال دو۔ اور امام کے سر اقدس کا پتہ دیدو۔ پھر کربلا کے دیگر واقعات کو پیش کرو۔ ورنہ موضوع روایات پر عوام الناس تو کان دھر سکتے ہیں۔ لیکن جویائے حقیقت کی پیاس نہیں بجھتی۔

نواب صاحب رامپور سے بحث:

انہی دنوں جب میں واپس رامپور میں آیا۔ تو نواب حامد علی خان صاحب والئے ریاست رامپور فرمانے لگے۔ عثمانؓ کا لاشہ تین روز بے گور و کفن پڑا رہا۔ گدھوں نے نوچا ہوگا۔ اور سنیوں میں سے کسی نے پرواہ نہ کی۔ یہ فرما کر روئے سخن خاکسار کی طرف کر کے ارشاد ہوا۔ کیوں مولوی عبید اللہ! سچ ہے؟ خاکسار نے عرض کیا کہ میری سمجھ میں تو یہ نہیں آتا۔ کیونکہ حضرت عثمان کی شہادت ہی کے دن حضرت طلحہ و زبیر اور مدینہ کے اصحاب اہل حل وعقد نے حضرت علیؓ کی بیعت کر لی تھی۔ ایک شخص اعتراض کرے گا۔ کہ حضرت علیؓ اس قدر سنگ دل تھے۔ کہ انہوں نے حضرت عثمانؓ کے لاشہ کی اس قدر توہین گوارا کی۔ کل کا دن ہے۔ کہ حضرت سید احمد صاحب بریلوی کے لاشہ کی نسبت پنجاب کے راجہ شیر سنگھ کو کسی شخص نے کہہ دیا۔ کہ حضرت سید صاحب کا فلانہ لاشہ ہے۔ لیکن سر نہیں۔ تو شیر سنگھ نے اپنا قیمتی دوشالہ بھیج کر اپنی فوج کے مسلمانوں کو حکم دیا کہ نہایت احترام کے ساتھ سید صاحب کے لاشہ

کا جنازہ پڑھا جائے۔اور دفن کیا جائے۔تو کیا شیر سنگھ سے بھی زیادہ صحابہؓ قسی القلب تھے؟ یا حضرت علی شیر سنگھ سے بھی گئے گذرے تھے۔کہ ایک خلیفہ کے لاشہ کا احترام نہ کیا؟ نواب صاحب فرمانے لگے۔حضرت علی کا کیا قصور ہے اہل سنت والجماعت نے بے اعتنائی کی۔ میں نے عرض کیا۔کہ اہل السنّت والجماعت کیا اہل تاریخ نے لکھا ہے۔کہ جب کوفہ میں حرد ریہ نے حضرت علی کو قتل کی دھمکی دی۔تو آپ نے فرمایا۔ **اُکلتُ یوم اکلت ثور الابیض**. (یہ عرب کی ایک مثل ہے جس کا اشارہ کلیہ دمنہ کے اس واقعہ کی طرف ہے۔ جس میں تین سفید وسُرخ اور سیاہ بیلوں کے متعلق ذکر آتا ہے۔کہ شیر نے انہیں ایک ایک کرکے پھاڑ دیا) یعنی میں تو اسی دن قتل ہو گیا تھا۔جس روز کہ حضرت عثمان شہید ہوئے۔اگر حضرت عثمان کے لاشے کا کسی نے احترام نہیں کیا۔تو کیا جواب ہے اس کا کہ حضرت امام حسین کے لاشے کا بھی کسی نے احترام نہیں کیا؟ اور کہنے والا کہہ سکتا ہے۔کہ حضرت امام حسینؓ کا لاشہ بھی شائد گدھوں نے نوچا ہو۔کیونکہ وہ بھی ریگِ تپاں پر پڑے رہے تھے۔کچھ سوچ کر نواب صاحب فرمانے لگے۔میں بھی نہیں کہتا کہ حضرت عثمانؓ کے لاشہ کی بے حرمتی ہوئی تھی۔

عید بابا شجاع:

ایک دوسرے روز کا واقعہ ہے۔وہ عید بابا شجاع کا دن تھا۔یعنی وہ دن کہ جس دن ابولولو نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو شہید کیا تھا۔(شیعوں میں علاوہ عیدین کے عید نوروز عید بابا شجاع اور عید غدیر منائی جاتی ہے۔عید نوروز تو وہ ہے۔جس دن حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خلافت ملی۔اور عید غدیر اس دن منائی جاتی ہے۔جس دن رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم غدیر خم پر پہنچے۔تو آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے متعلق فرمایا۔ **من کنت مولاہ فعلی**

مـــولاہ) غرض وہ عید باباشجاع کا دن تھا۔ کہ نواب صاحب کہنے لگے۔آج وہ دن ہے کہ جناب سردارِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حسنین کو بٹھا کر کہتے تھے۔کھاؤ میرے بچو! کھاؤ۔آج کے دن اس امت کا فرعون مارا جائے گا۔اور کھاؤ میرے بچو! کھاؤ۔آج نمرود اس امت کا مارا جائے گا۔غرض ایسے الفاظ استعمال کئے۔ چونکہ نواب صاحب کو اس خاکسار کو چھیڑنا منظور تھا۔خاکسار کی طرف متوجہ ہوکر فرمانے لگے۔عبیداللہ! تمہیں تو اس کا انکار ہوگا۔عرض کیا۔کہ ہاں سخت انکار! میری سمجھ میں نہیں آتا۔کہ جناب رسالت مآب بظاہر شیخین کے ساتھ نہایت تپاک سے پیش آتے تھے۔اور دل میں خصومت رکھتے تھے۔کیا کسی نبی کی تعریف ذرا بوجھیں قرآن شریف میں آئی ہے۔یا کسی نبی نے ایسا کیا۔اگر یہودیوں سے پوچھا جائے۔کہ امتِ موسیٰ میں کون سے بزرگوار افضل واعلیٰ تھے۔تو وہ جواب میں کہیں گے۔اصحاب موسیٰ۔مگر عیسائیوں سے پوچھا جائے کہ عیسوی امت میں کون سے انسان کامل الایمان تھے۔اور افاضلِ امت۔تو جواب ملے گا۔اصحابِ عیسیٰ۔مگر برخلاف اس کے اگر شیعوں سے پوچھا جائے۔کہ کون اشرار امت ہیں۔تو وہ بے ساختہ جناب رسالت ماب کے اصحاب کی طرف اشارہ کردیں گے۔چو کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی۔آج ایک شخص امہات المؤمنین اور دربار محمدی لکھ کر عیسائی مذہب کا آدمی میر احمد نامی پیش کرتا ہے۔کہ شیعہ مذہب کے اقوال کے مطابق نبی عرب کا ایک صحابی بھی قابل اعتماد نہ تھا۔تو شیعہ مذہب نے جو از راہِ تعصب وعناد الزامات صحابہ اور امہات المؤمنین کی نسبت لگائے ہیں۔اگر ان کو صحیح مانا جائے تو اسلام کا بالکل استیصال ہوجاتا ہے۔یہی وجہ ہے کہ علامہ ابن ابی الحدید شارح نہج البلاغۃ اور طبرسی یہ لکھتے ہیں۔کہ جو کچھ ہم کو ملا ہے۔غیر کے گھر سے ملا ہے۔کیونکہ شیعہ مذہب میں موضوعات کے دفتر کے سوا اور کچھ نہیں۔

حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے کارنامے:

ایک شب مولوی ذوالفقار علی خانصاحب ڈائریکٹر محکمہ آبکاری سے نواب صاحب بحث کر رہے تھے۔ کہ حضرت امیر یعنی حضرت علیؑ نے عمرو ابن ود کو مارا۔ مرحب کو مارا۔ خندق فتح کیا۔ خیبر فتح کیا۔ مگر شیخین نے کس اونٹ کا کان چیرا۔ اسی اثناء میں بسمل بھی نواب صاحب کے دربار میں پہنچ گیا۔ یکبارگی روئے سخن بدل کر خاکسار سے فرمانے لگے۔ مولوی عبیداللہ شیخین نے کس اونٹ کا کان چیرا ہے؟ میں نے عرض کیا۔ حضور پر ہویدا ہے۔ کہ میں پنجاب رہنے والا ہوں۔ آدابِ ریاست سے نابلد۔ کوئی گستاخی کا لفظ میری زبان سے سرزد ہو جائے یا سوءادبی ہو جائے تو موردِ عتاب ٹھہروں۔ دوئم آقا و غلام کا مناظرہ موزوں نہیں۔ بےادبی پر دال ہے۔ اس واسطے خانہ زاد کو معاف رکھا جائے۔ نواب صاحب فرمانے لگے کہ احقاقِ حق اور ابطال باطل منظور ہے۔ بحث کی ضرورت نہیں۔ آزادی سے بیان کرو۔ میں نے پھر اس پر دست بستہ عرض کیا کہ مجھ کو معاف رکھا جائے۔ اس پر بضد ہو کر کہنے لگے۔ جو تمہارے دل میں ہے۔ ضرور بیان کرو۔ کیونکہ اکثر سنتا رہتا ہوں۔ کہ تم نہایت آزادی سے گفتگو کرتے ہو۔ میں نے کہا ''کرمہائے تو مارا کرد گستاخ'' حضور کے کرم نے گستاخ کر دیا ہے۔ لیکن اب میں گستاخی کرنا مناسب حال نہیں سمجھتا۔ کہنے لگے۔ تمہیں میرے سر کی قسم۔ بیان کرو۔ میں نے عرض کیا قسم نہ دیں۔ جو کچھ میرے خیال میں ہے عرض کئے دیتا ہوں۔ لیکن جب تک میں اپنا پورا مافی الضمیر عرض نہ کرلوں۔ تب تک درمیان میں اعتراض نہ کیا جائے۔ اس پر نواب صاحب نے کہا۔ مولوی انصار حسین اور مولوی علی رضا کو بلاؤ۔ وہ دونوں مصاحب منزل میں بیٹھے ہوئے تھے۔ فوراً حاضر ہو گئے۔ مولوی انصار حسین کو نواب صاحب نے کہا کہ مولوی عبیداللہ شیعہ مذہب کی نسبت ایک اعتراض کرتا ہے۔ میں جواب دیتا ہوں۔ تم غور سے سنو۔

ہاں! مولوی عبیداللہ تم اپنا خدشہ پیش کرو۔ میں نے عرض کیا۔ حضور جب تک سرورعالم صلی اللہ علیہ وسلم اس دارِ ناپائیدار میں تشریف فرما تھے۔ کسی صحابی کا کارنامہ ذاتی نہیں سمجھا جاتا تھا۔ محض تعمیل ارشاد تھی۔ جو کچھ ارشاد ہوا صحابی نے اُس پر عمل کیا۔ ذاتی کارنامے صحابہ کے آنحضرت صلعم کی رحلت کے بعد محسوب ہوتے ہیں۔ حضور سنّی، شیعہ اور عیسائیوں کی تاریخ اٹھا کر ملاحظہ فرمائیں۔ کہ جس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس دارِ ناپائیدار سے رحلت فرما کر عالمِ جاودانی کی طرف تشریف لائے گئے۔ تو اس وقت اسلام اور مسلمان کن کن مخمصوں میں گرفتار تھے۔ چند مخمصے بیرونی تھے اور چند اندرونی بیرونی مخمصے یہ تھے۔ کہ اول مسیلمہ کذاب۔ سجاع بنت الحارث۔ اسود عنسی اور طلیحہ بن خویلدان چاروں نے نبوت کا دعویٰ کیا تھا۔ مسیلمہ کے ساتھ یمامہ میں ۶۰ ہزار کے قریب مسلح شور (ہتھیار بند) پہلوان مرنے مارنے پر آمادہ ہو گئے تھے۔ سجاع بنت الحارث کے پاس اِس سے زیادہ جرار فوج موجود تھی۔ اسود عنسی کے پاس تیرہ چودہ ہزار اور طلیحہ کے پاس دس بیس ہزار آدمی موجود تھا۔ ان مدعیان نبوت کا خیال تھا۔ کہ جب تک اسلامی جماعت کا استیصال نہ ہو جائے تب تک ہمارا مذہب حجاز کے لوگ نہیں مانے گے۔ اور عرب ہماری نبوت کا قائل نہیں ہوگا۔ اس لئے مدینہ میں جا کر مسلمانوں کا قلع قمع کر دینا چاہیئے۔ چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس فتنہ کے دفیعہ کے لئے اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کے ماتحت ایک سریہ مدینہ سے روانہ کرنے کا ارادہ فرما کر ارشاد کیا تھا۔ **لعن اللہ علیٰ من تخلف عن جیش اسامہ**۔ دوسرا مخمصہ مرتدین عرب کا تھا۔ جس کی نسبت علامہ ابن خلدون لکھتا ہے۔ **کادت ترتد العرب** تیسرا مخمصہ نعینِ زکوٰۃ کا تھا۔ چوتھا مخمصہ **مؤلفۃ قلوبھم** کا۔ پانچواں مخمصہ یہود بن قریظہ اور بنی نضیر کا جن سے خیبر میں چند لڑائیاں ہو چکی تھیں۔ چھٹا مخمصہ مشرکین عرب کا جن کے ساتھ متعدد

غزوات ہو چکے تھے۔ ساتواں نصاریٰ بنی نجران کا۔ گو بظاہر انہوں نے مسلمانوں سے لڑائی تو نہیں کی تھی۔ مگر یہ شام سے نجران میں بغرض اشاعت دین عیسوی آئے ہوئے تھے۔ یہ اپنی تبلیغ کا مزاحم اسلام کو پاتے تھے۔ اوران کی دلی آرزو تھی۔ کہ اگر اسلام کا پاؤں درمیان سے اٹھ جائے۔ تو تمام جزیرہ نمائے عرب کو دین عیسوی میں لے آنا ہمارے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے۔ چنانچہ قبیلہ بنی طے ودیگر قبائل ان کی تبلیغ سے عیسائی ہو چکے تھے۔ یہ بیرونی مخمصے تھے۔ اب اندرونی مخمصوں میں سے ایک منافقین کا تھا۔ دوسرا مخمصہ جو پختہ مسلمانوں کے درمیان یہ پیدا ہو گیا تھا۔ وہ یہ ہے۔ کہ پختہ مسلمانوں کی تعداد اس وقت جیسا کہ ابن عبدالبر استیعاب میں لکھتا ہے۔ چودہ سو اور سولہ سو کے درمیان تھی۔ جو بیعت رضوان میں داخل ہوئے تھے۔ یہ تعداد دو گروہوں پر منقسم تھی۔ ایک گروہ مہاجرین کہلاتا تھا۔ دوسرا انصار۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھ بند ہوتے ہی انصار کو یہ خیال پیدا ہو گیا تھا۔ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خدا کے فرستادہ تھے۔ اس لئے ہم نے اُن کو اپنا بادشاہ تسلیم کر لیا تھا۔ لیکن دوسرے قریش کے لوگ مظلومانہ حالت میں مکہ سے نکلے تھے۔ وہ بے سروسامانی کی حالت میں مدینہ آئے تھے۔ ہم نے اُن کی مدد کی۔ ان کو مکان دیئے۔ خوراک و پوشاک سے ہم نے ان کی مدد کی۔ اگر نہ کرتے۔ تو وہ بھوک سے ہلاک ہو جاتے۔ وہ ہمارے دستِ نگر ہیں۔ اور ہمارے احسان کے نیچے ہیں۔ ہم ان کو اپنے شہر کا اور اپنی جانوں پر حاکم کسِ طرح بنالیں۔ اس واسطے سقیفہ بنی ساعدہ میں انصار نے جمع ہو کر سعد بن ابی عبادہ کو اپنا امیر مقرر کر لینا چاہا تھا۔ حضرت ابوبکرؓ وعمرؓ اس وقت مسجد نبویؐ میں جنازے کا انتظار کر رہے تھے۔ کہ اُن کے کان میں یہ بھنک پڑی۔ انصار نے اپنا امیر مقرر کر لیا ہے۔ یا کر لینے کو تیار ہیں۔ اس وقت حضرت ابوبکرؓ کو یہ خیال پیدا ہوا۔ کہ عرب انصار کا لوہا نہیں مانیں گے۔ اور **العرب لایصلح الا بالقریش**. قریش

کومتولی کعبہ سمجھ کرعرب عزت کی نگاہ سے دیکھتے چلے آئے ہیں۔اب بھی قریش کے سامنے سرخم کریں گے۔ اگر قریش نے اس وقت انصار کی حکومت مان لی۔تو قریش کی وقعت دیگر قبائل عرب سے اٹھ جائے گی۔ چنانچہ سرولیم میور نے بھی اس بات کوتسلیم کیا ہے۔حضرت ابوبکرؓ نے عجلت کی کہ انصار کو جا کرروک لیا جائے۔اورامارت کے خیال سے باز رکھا جائے۔ ورنہ عرب میں فتنہ عظیم الشان برپا ہوجائے گا۔ جسے انصار سنبھال نہیں سکے گے۔ چنانچہ حضرت عمرؓ کو لے کرسقیفہ بنی ساعدہ کی طرف روانہ ہوئے۔راستہ میں حضرت ابوعبیدہ بن جراح امین ہذہ الامۃ مل گئے۔یہ تینوں اکابرصحابہ میں شمار ہوتے تھے۔تینوں متفق ہوگئے۔کہ **ماجاء بالرسول** میں مزاحمت نہ پیدا ہو۔اوراشاعت اسلام میں رخنہ نہ پیدا ہو۔سقیفہ بنی ساعدہ میں پہنچے۔اور بہت سے حیص و بحث کے بعد حضرت ابوبکرؓ اجماعِ صحابہؓ سے خلیفہ قرار دیئے گئے۔ میں اس وقت یہ عرض نہیں کرسکتا کہ یہ اجماع جائز تھا۔یا ناجائز۔بہرحال صحابہؓ کثیر کے اجماع سے حضرت ابوبکرؓ خلیفہ ہوگئے۔دوسال چند ماہ آپ صدرِ خلافت پر متمکن رہے۔ اِس عرصہ قلیل میں آپ کی حسنِ تدبیر سے مسلیمہ کذاب ۔سجاع بنت الحارث ۔اسود عنسی ۔طلیحہ بن خویلد۔مرتدین عرب مانعین زکوٰۃ۔مؤلفہ قلوبہم۔منافقین کے تمام مخمصے جزیرہ عرب سے دورہوگئے۔اوراسلامی لشکر قیصروکسریٰ کے مقابل کھڑا ہوگیا۔اوربعض بعض مقامات اُن سے چھین لئے گئے۔ یہ حضرت ابوبکرؓ کی خدمتِ فی الدین تھی۔اگر خدمت فی الدین تسلیم نہ کی جائے۔تو مسلمانوں پران کا احسان تھا۔کیونکہ اگرحضرت ابوبکرؓ سے کوئی سوء تدبیر ہوجاتی۔تو مسلمان قیصروکسریٰ کے مقابل یا مسیلمہ یا اسود عنسی کے لشکر کے مقابل شکست کھا جاتے۔تو مسلمان شہید ہوجاتے۔اورحسب قوانین ملکِ عرب مسلمانوں کی عورتیں بیوہ ہوکرلونڈیاں اوربچے یتیم ہوکرکفارہ کے غلام بن جاتے۔سنی۔شیعہ۔عیسائیوں۔

کی تاریخ کو اٹھا کر ملاحظہ فرمالیا جائے۔ کسی نے اس کا انکار نہیں کیا۔

حضرت ابوبکرؓ نے اپنے انتقال کے قریب اپنا جانشین حضرت عمرؓ کو قرار دیا۔ یہ جانشین قرار دینا عرب میں استخلاف کہلاتا ہے۔ میں یہ عرض نہیں کرسکتا کہ یہ استخلاف جائز تھا یا ناجائز۔ بہرحال حضرت عمرؓ خلیفہ ہوگئے۔ اور دس سال تک آپ نے مسند خلافت کو زینت دی۔ اس عرصہ میں فارس کا ملک فتح ہوگیا۔ وہ صحابہ جو بھوک کی وجہ سے سنگ مجاعت اپنے پیٹ پر باندھا کرتے تھے۔ اُن کے گھر خزائنِ کسروی کی غنیمت سے مالا مال ہوگئے۔ اور فارس کے شاہوں کی لڑکیاں بطور سبایہ مسلمانوں کے گھروں میں آگئیں۔ چنانچہ ایک اُن میں سے یزدگرد (فارس کا آخری بادشاہ) کی بیٹی جن کو بانو کہتے ہیں۔ حضرت امام حسین کے گھر میں آئیں۔ جن کے بطنِ مبارک سے حضرت امام زین العابدین پیدا ہوئے۔ جن کو شیعہ ائمہ اثناعشر میں سے چوتھا امام اعتقاد کرتے ہیں۔ اس کے سوا مقوقس سے مصر کا ملک پورے کا پورا لشکر اسلام نے عمرو بن العاص کی ماتحتی میں چھین لیا۔ اور سلطنت اسلام کو یہاں تک وسعت ہوئی۔ کہ وہ شام کی مبارک سرزمین جس کی نسبت قرآن شریف میں **وبارکنا حوله** وارد ہے۔ نصاریٰ کے ناپاک ہاتھوں سے چھین کر مسلمانوں کو اس کا متولی بنادیا گیا۔ یہ حضرت عمرؓ کی خدمت فی الدین ہے۔ اگر خدمت فی ادین نہ تسلیم کی جائے۔ تو مسلمانوں پر ان کا احسان ہے۔ کیونکہ اگر اسلامی لشکر قیصر یا کسریٰ یا مقوقس کے مقابل شکست کھا جاتا۔ تو مسلمان عورتیں بیوہ ہوکر لونڈیاں اور مسلمان بچے یتیم ہوکر غلام بن جاتے۔ سنی، شیعہ، حتیٰ کہ نصاریٰ کی تاریخ کو ملاحظہ فرمالیا جائے۔ کسی نے اس کا انکار نہیں کیا۔

حضرت عمرؓ کے بعد حضرت عثمان مجلسِ شوریٰ کے انتخاب سے خلیفہ مقرر ہوئے۔ میں نہیں عرض کرسکتا۔ کہ شوریٰ جائز تھا یا ناجائز۔ بہرحال حضرت عثمان خلیفہ ہوگئے۔ قریب

بارہ سال کے حضرت عثمان مسند آراء خلافت رہے۔ اُن کے عہد مبارک میں طرابلس الغرب سے لے کر بخارا تک اسلامی سلطنت پھیل گئی۔ جو اس وقت چھ سات سلطنتوں میں منقسم ہے۔ مصر مصر والے کے پاس ہے۔ شام میں فرانسیسی ہیں۔ اور برٹش گورنمنٹ بھی ہے۔ عرب ونجد ایک کے پاس ہے تو حجاز دوسرے کے پاس تو یمن تیسرے کے پاس۔ فارس شاہ ایران کے پاس ہے۔ مسقط شاہِ مسقط کے پاس ہے۔ بخارا روسیوں کے پاس ہے۔ کابل شاہِ کابل کے پاس ہے۔ حضرت عثمان کے پاس اتنی وسیع مملکت ایک خلیفہ کے ماتحت تھی۔ اس کے علاوہ حضرت عثمانؓ نے وہ بڑا کام کیا۔ جو کسی صحابی سے نہ ہوسکا۔ کہ وہ قرآن کریم جو مایہ رشدو ہدایت مسلمین ہے۔ جو آلہ خدا شناسی ہے۔ اور مایہ ناز اہل اسلام ہے۔ اور جس پر سنی شیعہ دونوں گروہ تفاسیر لکھ رہے ہیں۔ وہ مرتب اور مدون کیا ہوا۔ حضرت عثمانؓ کا ہے۔ اگر حضرت عثمانؓ مدون نہ کرتے تو جس طرح آج عیسائیوں کے مختلف گروہوں کی متفرق انجیلیں ہیں۔ اسی طرح لوگوں کے تصرفات سے قرآن کریم بھی ہوتا۔ اس کا مشرق کا نسخہ مغرب کے ساتھ متفق نہ ہوتا۔ چونکہ خدا کا وعدہ تھا۔ **انا نحن نزلنا الذکر وانا له لحافظون** ۔ اس لئے اس کا مصداق حضرت عثمانؓ ٹھہرے اور تمام دنیائے اسلام میں قرآن کی ایک سی صورت رہی۔ شیعہ بھی اس بات کو تسلیم کرتے ہیں۔ کہ یہ قرآن بیاضِ عثمانی ہے۔ سنی شیعہ حتّٰی کہ نصاریٰ کی تاریخ کو ملاحظہ فرما لیا جائے کسی نے اس کا انکار نہیں کیا۔ یہ حضرت عثمان کی خدمت فی الدین ہے۔ اگر خدمت فی الدین تسلیم نہ کی جائے۔ تو مسلمانوں پر احسان ہے۔ کیونکہ اگر قرآن کے متفرق نسخے ہوتے تو شیعوں کے پاس کچھ، سنیوں کے پاس کچھ۔ خوارج کے پاس کچھ۔ باعثِ اختلاف ہوکر اسلام کی جامعیت جاتی رہتی۔ اب ایک سوال پیدا ہوتا ہے۔ کہ بہ نسبت حضرت ابوبکرؓ اور عمرؓ اور عثمانؓ کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے

انتقال کے بعد حضرت علیؓ زیادہ عرصہ تک بقید حیات رہے ہیں۔ بجز اس کے کہ جنگ جمل میں قریباً ساٹھ ہزار مسلمان جان سے مارے گئے۔ اور جنگِ صفین میں ستر ہزار اور جنگ نہروان میں بارہ ہزار آدمی مارے گئے۔ اسلامی فتوحات رُک گئیں۔ حضرت علیؓ کا حضرت عثمانؓ حضرت عمرؓ اور حضرت ابوبکرؓ سے زیادہ کونسا احسان ہے۔ جس کی وجہ سے حضرت علیؓ کو حضرت عثمانؓ حضرت عمرؓ اور حضرت ابوبکرؓ سے افضل و اعلیٰ سمجھا جائے۔

خاکسار کا یہ کہنا تھا۔ کہ نواب صاحب پلنگڑی پر لیٹ گئے۔ اور رومال ہلایا۔ کہ اب اٹھ کر چلے جاؤ۔ میں اور ذوالفقار خان صاحب اور دیگر حاضرین جلسہ وہاں سے برآمد ہوئے۔ حافظ احمد علی خاں شوق اگرچہ اس وقت ہمارے سخت مخالفت تھے۔ مگر انہوں نے اس وقت آ کر مجھ کو پیچھے سے اٹھالیا۔ اور کہنے لگے قادیانی گو میں تمہارے عقائد کے ساتھ متفق تو نہیں ہوں۔ مگر آج تو نے اہل سنت کی عزت رکھ دکھائی۔ کیونکہ نواب صاحب کے پاس جو بھی اہل سنت والجماعت میں سے عالم تشریف لاتا تھا۔ تو نواب صاحب کے منہ سے جو الفاظ نکلتے تھے۔ خاموشی کے ساتھ سن کر اٹھ جاتا تھا۔ اور کلمہ حق زبان پر نہیں لاتا تھا۔ آج تو نے اہل سنت کی اچھی وکالت کی۔

دوسرے روز مولوی علی رضاء اور مولوی انصار حسین دونوں نواب صاحب کے سامنے گریہ وزاری کرنے لگے۔ کہ رامپور غرق ہو جائے گا۔ اور رامپور پر انگارے کیوں نہ برسیں گے۔ مولوی عبیداللہ نے حضور کے سامنے جناب امیر علیہ السلام کی نسبت کھلے لفظوں میں کہہ دیا۔ کہ جناب امیر علیہ السلام نے کوئی خدمت فی الدین نہیں کی۔ چونکہ حضور کے صاحبزادے خاقان دولھا اور نواب دولھا مدرسے میں تعلیم پاتے ہیں۔ عربی پڑھنے کے لئے مولوی عبیداللہ کے پاس جاتے ہیں۔ یہ شخص ان کے عقائد کو بگاڑ دے گا۔ نواب صاحب نے

ارشاد فرمایا۔ ہاں ان کو ملازمت سے الگ کر دو۔ حافظ احمد علی خان شوق کہنے لگا کہ مدرسہ میں کورس پڑھانا ہے۔ نہ کہ عقائد کی کتابیں۔ مولوی عبیداللہ ایسا نادان کہاں ہے۔ کہ بچوں کے ساتھ ایسی گفتگو شروع کر دے۔ نواب صاحب نے کہا۔ اچھا رہنے دو۔ صبح مجھ کو صاحبزادہ عنائیت حسین خان عرف انھا میاں نے جو مجھ سے فارسی اشعار کی اصلاح لیا کرتے تھے۔ میرے پاس آدمی بھیج کر بلوایا۔ اور کہنے لگے مولوی صاحب آپ نے بڑا غضب کیا ہے۔ نواب صاحب کے روبرو آپ نے یہ کہہ دیا کہ حضرت علیؓ نے کوئی خدمت فی الدین نہیں کی۔ آپ کو ایسا نہیں کہنا چاہیئے تھا۔ نواب صاحب آپ پر بہت ناراض ہیں۔ میں نے سن کر استعفیٰ لکھا اور ہیڈ ماسٹر صاحب کو دیا۔ استعفیٰ داخل کر کے نواب صاحب کے پُھپھا صاحبزادہ چھٹن صاحب بہادر کے پاس گیا۔ وہ مولوی عبدالحق صاحب خیر آبادی کے شاگردِ رشید اور معقولات میں دستگاہِ کامل رکھتے تھے۔ اور مذہباً اہل السنّت والجماعت اور حنبلی المذہب کہلاتے تھے۔ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کے بڑے معتقد تھے۔ میں اُن کے پاس گیا۔ اور کہا خانہ آباد دولت زیادہ! ملکِ خدا تنگ نیست پائے گدا لنگ نیست۔ خاکسار اب خدمتِ والا سے رخصت ہوتا ہے۔ چھٹن صاحب بہادر کہنے لگے۔ کہ آپ عجلت نہ کریں میں نے آپ کی تقریر کا خلاصہ سن لیا تھا۔ آپ نے اپنے مذہب کی ضرور پاسداری کی۔ البتہ اتنی بات ہے۔ کہ تقریر کا لہجہ سخت تھا۔ خیر میں اس کو سلجھالوں گا۔ آپ ہرگز جانے کا ارادہ نہ کریں۔

رات کے وقت صاحبزادہ عنائیت حسن خان اور صاحبزادہ چھٹن صاحب بہادر دونوں نواب صاحب کے مواجہ میں چوسر کھیلنے لگے اتفاقاً چھٹن صاحب کا پانسا بھاری ہو گیا۔ انھا خانصاحب سے کہنے لگے۔ انھا میاں تم بھی چلے۔ اور تمہارے استاد بھی چلے۔ نواب صاحب نے پوچھا۔ انھا میاں کا کون استاد؟ چھٹن صاحب نے کہا عبیداللہ بسمل۔ نواب

صاحب نے کہا۔ ہاں! پھپھا صاحب۔ وہ تو خارجی ہے۔ وہ تو قادیانی بھی نہیں۔ قادیانی بھی میرے خیال میں ایسا نہیں کہتے ہونگے۔ چھٹن صاحب کہنے لگے وہ سٹھیا گیا ہے۔ تاریخیں پڑھتے پڑھتے دماغ ماؤف ہوگیا ہے۔ جہاں حضور کی معدلت شعاری کا نشان ہے۔ کہ اپنے مذہب کے مخالف کی پرورش فرماتے ہیں۔ نواب صاحب نے فرمایا۔ اچھا چوسر اٹھا دو۔ ذوالفقار خان صاحب کو بلاؤ۔ اور عبیداللہ صاحب کو بھی بلاؤ۔ خاکسار سے پہلے ذوالفقار خاں صاحب نواب صاحب کی خدمت میں پہنچ چکے تھے۔ جس وقت خاکسار خدمت والا میں پہنچ کر آداب عرض کر کے بیٹھ گیا۔ نواب صاحب نہایت غضب کی نگاہ سے میری طرف دیکھنے لگے۔ چند منٹ دیکھ دیکھ کر یکبارگی کہنے لگے۔ مولوی عبیداللہ! تمہیں کس نے کہا تھا۔ کہ میں ناراض ہوں۔ میں نے عرض کیا۔ پرسوں رات کی تقریر سے میرے خود ذہن میں متباور ہوا تھا۔ کہ میرے آقا غلام کی گستاخی سے ناراض ہو چکے ہیں۔ فرمانے لگے بے شک تم بڑے گستاخ ہو۔ تم نے میرے سامنے یہ کہا کہ جناب امیر علیہ السلام نے کوئی خدمت فی الدین نہیں کی۔ میں نے عرض کیا۔ کہ اگر میرا یہی عقیدہ ہے۔ کہ جناب امیر علیہ السلام نے کوئی خدمت فی الدین نہیں کی۔ تو بے شک میرے جیسا کوئی مرتد نہیں۔ کوئی زندیق نہیں۔ کوئی ملحد نہیں۔ میں نے تو صرف ایک اعتراض ایک سنی الاصل شخص کی طرف سے پیش کیا۔ اور اس کا امیدوار تھا، مولوی علی رضاء صاحب اور مولوی انصار حسین صاحب اس کا کیا جواب دیتے ہیں۔ نواب صاحب کہنے لگے۔ کیا تمہارے خیال میں اس کا کوئی جواب ہو ہی نہیں سکتا۔ میں نے کہا کیوں نہیں۔ اس کے صدہا جواب ہو سکتے ہیں۔ میں تو جناب امیر علیہ السلام کے ایسے فضائل ثابت کر سکتا ہوں۔ جیسے دو اور دو چار۔ کہنے لگے ہاں تمہارا خیال ہے۔ دوسرا کوئی اس کا جواب نہیں دے سکتا۔ سنو! میں جواب دیتا ہوں۔ چوبدار کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ مولوی

انصار حسین اور مولوی علی رضا کو بلالاؤ۔ جب وہ دونوں حاضر ہو گئے۔تو ان کی طرف مخاطب ہوکر فرمایا۔دیکھو مولوی عبیداللہ کا یہ خیال کہ بس میں نے قلعہ فتح کر لیا۔شیعہ مذہب کا کوئی آدمی اس کا جواب ہی نہیں دے سکتا۔اس وقت میری طبیعت کبیدہ تھی۔ میں نے جواب دینا پسند نہیں کیا تھا۔سوتم منصف ہوکر میری باتوں کوسنو۔ جناب امیر علیہ السلام نے عمر دین ددکو مارا،مرحب کو مارا،خیبر فتح کیا،خندق فتح کیا،شیخین نے کس اونٹ کا کان چیرا ہے۔ مولوی عبیداللہ جواب دو۔ میں نے عرض کیا۔ یہ حقائق محققہ ہیں۔اظہر من الشمس۔ بیّن من الامس اور بدیہی امور میں سے ہیں۔کون بیوقوف اس کا انکار کرسکتا ہے۔ کہنے لگے۔کیا یہ خدمت فی الدین نہیں۔ میں نے کہا۔ بیشک خدمت فی الدین ہے۔ کہنے لگےتو شیخین کی ایسی خدمت فی الدین تم پیش کرو۔ میں نے عرض کیا۔ پرسوں ہی رات کی تقریر سے عاجز خوفزدہ ہوگیا ہے۔ بحالت خوف کہاں جرأت رکھتا ہوں کہ عرض کروں۔ کہنے لگے نہیں آزادی سے بیان کرو۔ میں نے کہا۔حضور آزادی کیسی۔ کہنے لگے۔میرے سر کی قسم بیان کرو۔تم اطمینان رکھو۔ میں مذہبی معاملے میں کسی کے ساتھ برا سلوک کرنا اچھا نہیں سمجھتا۔ میں نے کہا۔تو پھر عرض کرتا ہے کہ اگر شیخین نے کسی اونٹ کا کان نہیں چیرا۔تو حضرت عیسیٰ اور حضرت یحییٰ اور حضرت زکریا اور حضرت سموئل نے کس اونٹ کا کان چیرا ہے۔ بلکہ کہنے والا کہہ سکتا ہے۔ کہ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کس کو قتل کیا ہے؟ بلکہ اس پر ایک وحشی حضرت حمزہ کا قاتل معارضہ کریگا۔ کہ میں مسلیمہ کذاب کو قتل کیا ہے۔ جو عمرو بن دداور مرحب سے زیادہ کافر تھا۔ کیونکہ انہوں نے نبوت کا دعویٰ نہیں کیا تھا۔اور مسیلمہ نے نبوت کا دعویٰ کیا تھا۔نواب صاحب کہنے لگے۔کیا کسی کافر کا قتل کرنا داخل فضائل نہیں ہے؟ میں نے کہا۔ایک کافر کو مسلم کرنا اور مسلم کو مومن اور مومن کو باخدا بنانا داخل فضیلت ہے۔نہ کہ کافر کو قتل کرنا ورنہ وحشی کو بھی افضل صحابہ

سمجھا جائے۔ اِس پہلو کو چھوڑ کر نواب صاحب فرمانے لگے۔تو اچھا جناب امیر علیہ السلام ابن عم رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم زوج بتول ہیں یا نہیں۔ میں نے کہا دریں چہ شک۔فرمانے لگے یہ فضیلت خاص کچھ کم ہے! میں نے کہا بڑی فضیلت ہے، اس کا کون انکار کرسکتا ہے۔ کہنے لگے۔ کہ! شیخین کو یہ فضیلت حاصل تھی۔ میں نے کہا نہیں کہنے لگے۔ بس اسی پر ٹھہر جاؤ۔تمہاری سب باتوں کا جواب ہوگیا۔ میں نے ہنس کر عرض کیا بے شک تسلی ہوگئی۔ میرے ہنسنے پر فرمانے لگے بڑا خبیث نفس ہے۔ دل میں کچھ ہے۔ظاہر کچھ کرتا ہے تیرے دل میں جو کچھ ہے بیان کردے۔ میں نے کہا۔ حضور میرے دل میں کیا ہوتا۔ کہنے لگے نہیں کوئی اعتراض ہے۔تو بیان کرو۔ میں نے کہا۔ اتنی ہی بات ہے۔سائل یہ کہے گا۔ کہ میں خدمت فی الدین کی بات پوچھتا ہوں۔اور جواب قرابتِ قریبہ سے دیا جاتا ہے۔اور وہ یہ کہے گا۔ کہ فضل بن عباس۔قثیم بن عباس۔عبداللہ بن عباس۔عقیل بن ابی طالب یہ چاروں معارضہ کریں گے۔ کہ ہم بھی ابن عم رسول اللہ صلعم ہیں۔ اگر دامادرسولؐ ہونا ہی باعث فخر ہے۔تو ابوالعاص بھی معارضہ کرسکتا ہے۔ کہ میں بھی دامادِ رسول خدا ہوں۔ شائد حضور کہد ینگے کہ عثمان داماد ہی نہیں تھا۔مگر مورخ تو یہی لکھتے ہیں۔اور پھر وہی بات رہی۔ کہ قرابت مندی کو خدمت فی الدین سے کیا تعلق ہے۔اس پر فرمانے لگے۔ تیرے دل سے نورِ ایمان جاتا رہا۔ میں نے تو کسی خارجی سے بھی ایسے الفاظ نہیں سنے۔ اچھا تو نے یہ بات کہی تھی۔ کہ حضرت عثمانؓ جامع القرآن ہے۔اس پر ذوالفقار خاں صاحب فرمانے لگے۔نہیں جامع القرآن تو حضرت ابوبکر صدیق ہیں۔نواب صاحب نے کہا۔ میں عبیداللہ سے گفتگو کرتا ہوں۔آپ اس میں دخل نہ دیں۔ جامع القرآن حضرت امیر علیہ السلام ہیں۔آپ نے علیٰ ترتیب التنزیل قرآن کو جمع کیا تھا۔ کیا یہ فضیلت نہیں ہے؟ کیا اس کا بھی انکار ہے۔ کہ یہ خدمت فی الدین

نہیں ہے۔ میں نے کہا۔ اگر پایہ ثبوت تک پہنچ جائے تو بے شک بڑی فضیلت ہے۔ فرمانے لگے۔ کیا تیرے نزدیک پایہ ثبوت تک نہیں پہنچتی۔ میں نے کہا نہیں۔ کہنے لگے کیوں؟ میں نے کہا معترض یہ اعتراض کرے گا۔ کہ جناب امیر علیہ السلام نے وہ قرآن کہاں رکھا؟ کہنے لگے چونکہ صحابہ نے اس کو نامنظور کیا۔ اس لئے آپ نے اہل بیت کو دے دیا۔ میں نے کہا۔ اہل بیت نے کہاں رکھا؟ کہنے لگا نسلاً بعد نسل آئمہ کے پاس چلا گیا۔ میں نے کہا اب کہاں ہے؟ کہنے لگے جناب صاحب الامر علیہ السلام (یعنی مہدی) کے پاس ہے۔ جس وقت وہ خروج کریں گے۔ اس وقت لوگ اس کی زیارت کرینگے۔ میں نے عرض کیا۔ کیا یہ قرآن بیّن ایدی الناس ہے۔ یہ بھی منزل من اللہ ہے یا نہیں ہے۔ کہنے لگے ہاں ہے۔ مگر مناقب اہل بیت کی جس قدر آتیں تھیں عثمان عثمان نے نکال ڈالیں۔ میں نے کہا اگر اگر نکال ڈالی ہیں تو ان کا گناہ عثمان کے ذمہ ہوا ہوگا کچھ انہوں نے بڑھایا تو نہیں کہنے لگے بڑھایا نہیں گھٹایا ضرور ہے۔ میں نے کہا۔ گھٹانے میں تو گفتگو نہیں ہے۔ لیکن بڑھایا نہیں۔ تو پھر یہ قرآن تو برا فیصلہ دیتا ہے۔ کہنے لگے کیا۔ حافظ احمد علی خاں شوق بیٹھے ہوئے تھے۔ میں نے حافظ صاحب کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ وہ آیت کس طرح ہے۔ **ان الذین یکتمون ما انزلنا من البینات والھدی من بعد مابیّناہ للناس.** میں نے کہا آگے۔ حافظ صاحب نے پڑھ دیا۔ **اولئک یلعنھم اللہ ویلعنھم الاعنون.** میں نے دونوں کان ہاتھ سے پکڑ کر کہا۔ توبہ توبہ ایک آیت کے کتمان پر جب یہ وعید ہو۔ تو میری زبان پر انگارے پڑیں کہ میں کہوں۔ جناب مہدی علیہ السلام نے تمام قرآن کا کتمان کر لیا ہے۔ فرمانے لگے عبیداللہ بس اب مجھ میں تیری بات کے سننے کی تاب نہیں رہی۔ آج تو نے پرسوں کی رات سے بھی زیادہ سخت کلامی کی ہے۔ مجھے یہ ثابت ہو گیا کہ تو خارجی گروہ میں سے ہو گیا ہے۔ کیا

کہوں۔اگر تو نے جناب امیرؑ کی سوانحعمری نہ لکھی ہوتی تو تیرا حشر جو کچھ ہوتا لوگ دیکھ لیتے۔ میں نے کہا سر تسلیم خم ہے۔ جو مزاجِ یار میں آئے۔ حافظ احمد علی خان کی طرف مخاطب ہو کر کہنے لگے۔اس دیوانے کو فہمائش کر د۔ یہاں رامپور میں کوئی اس کو قتل کر دے گا۔تو پھر اس کی جماعت کے لوگ کہیں گے کہ جس طرح امیر کابل نے ایک قادیانی کو قتل کر دیا ہے۔ یہ قتل میرے ذمہ تھوپیں گے۔ حافظ احمد علی خان شوق کہنے لگے حضور اس کا اعتقاد یہ نہیں ہے یہ پکا حضرت میر کا مداح ہے۔ میں جانتا ہوں۔ کہنے لگے ہیں۔عبیداللہ! کیا جناب امیر نے کوئی خدمتِ فی الدین نہیں کی۔ میں نے کہا۔کی اور بڑے اعلیٰ پایہ کی خدمت فی الدین کی۔ کہنے لگے وہ کونسی! ایسی خدمت ہے؟ میں نے کہا۔ ہے تو سہی میں عرض کر دیتا ہوں۔مگر حضور تسلیم نہیں کریں گے۔ کہنے لگے وہ کونسی ایسی خدمت فی الدین ہے۔ جو ہم شیعہ تسلیم نہیں کرینگے؟ میں نے کہا۔حضور! وہ یہ کہ حضرت امیر نے کشفِ شہود اور علم باطن کا دروازہ امت محمدیہ کے منہ پر کھول دیا۔حضرت جنیدؒ کہتے ہیں۔ **مرجعنا فی ھذا الباب علی ابن ابی طالب.** ہمارا مرجع جو ہے اس باب میں یعنی تصوف اور سلوک میں علی بن ابی طالب ہے۔ قادریہ چشتیہ۔ سہروردیہ۔ شاذلیہ۔ مجددیہ۔ نقشبندیہ تمام سلاسل کی انتہا حضرت امیر علیہ السلام کی ۔ذاتِ معد میں ہے۔اور یہ فیض باطنی الی یوم القیامۃ امت محمدیہ میں جاری رہے گا۔مگر حضرات شیعہ کہتے ہیں۔ کہ امام یازدہم حسن عسکری علیہ السلام تک پہنچ کر ختم ہو گیا ہے۔اور اب صاحب۔الامر خروج فرما کر از سرنو اس کو زندہ کریں گے۔اوران دوازدہ امام کے سوا کوئی شخص کوئی متنفس خواہ کتنا ہی عابد زاہد ہو،اس فیض باطنی کو حاصل نہیں کر سکتا۔ یہ خاصہ دوازدہ امام ہے۔لا ان الخاصۃ یوجد فیھم ولا یوجد فی غیرھم اور اہل سنت کے تمام اولیاء کرام جھوٹے مدعی تھے۔نہ کوئی مالک کشف تھا۔کوئی فیض باطنی سے بہرہ یاب تمام امت کو محروم سمجھتے ہیں یہ

فضیلت خاص حضرت امیر علیہ السلام کے حق میں آئی تھی۔جس سے کروڑ ہا اہل سنت کے اکابر جن کو اولیاء اللہ کہا جاتا ہے بہرہ یاب تھے نواب صاحب کہنے لگے ایسے متغیّر عقائد والے کا کیا اعتبار ہے۔حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ جن اہل تشیع بھی اپنا پیشوا سمجھتے ہیں، پہلے پارسی تھے، پہر یہودی ہوئے، پھر عیسائی ہوئے۔پھر مسلمان ہوئے۔نواب صاحب بولے، واہ کن بزرگوں سے اپنے آپ کو تشبیہہ دیتا ہے۔ان قادیانیوں کے پاس مثالیں گھڑی رہتی ہیں۔ پھر کہنے لگے۔اچھا تو نے کیا میرے ہی بر خلاف کرنا تھا۔میں نے کہا، لوگ یہ نہ کہیں روٹی کے بدلے شیعہ ہو گیا ہے۔یا روٹی کے بدلے سنّی ہو گیا ہے۔کہنے لگے ہاں میں جانتا ہوں تو طامع آدمی نہیں۔اسی لئے ارجح المطالب میں تو نے لکھا ہے کہ میں نے اس کے بدلہ میں کسی سے کچھ لینا نہیں۔میں تو تجھی سے جانتا ہوں کہ تو خاشامد کرنے والا نہیں۔یہ وصف تجھ میں ہے جسے میں پسند کرتا ہوں۔اگر کوئی دوسرا ہوتا تو میں اُسے منہ بھی نہ لگاتا۔اچھا جاؤ رخصت۔

☆ رام پور میں مباحثہ:

مذہبی مسائل کے متعلق نواب صاحب رامپور سے جب میری گفتگو ہو چکی۔تو اس کے بعد احمدیت کے متعلق حافظ احمد علی خان صاحب شوق اور خانصاحب ذوالفقار علی خان صاحب کے درمیان مباحثات شروع ہو گئے۔جو اکثر نواب صاحب کے مواجہہ میں ہوا کرتے تھے۔نواب صاحب نے یہ فیصلہ کیا کہ جانبین کے علماء کا ایک مناظرہ ہو جائے۔ ہماری طرف سے خواجہ کمال الدین صاحب، مولوی محمد علی صاحب، مولوی سید سرور شاہ صاحب، حافظ روشن علی صاحب، مولوی مبارک علی صاحب سیالکوٹی، شیخ یعقوب علی عرفانی، میر قاسم علی صاحب، اور مولوی محمد احسن صاحب امروہی وارد رامپور ہوئے۔اور غیر

☆: ۲۸ فروری ۱۹۳۹ء

احمدیوں میں تمام علماء کٹھیر (یوپی کے وسط کو کٹھیر کہتے ہیں۔)اور پنجاب سے مولوی ثناءاللہ صاحب امرتسری کو بلایا گیا۔ایک دن رات کے وقت سب اصحاب جماعت احمدیہ خان ذوالفقارعلی خان صاحب کے مکان پرنواب صاحب کی دعوت میں مدعو تھے کہ حافظ روشن علی صاحب نے خاکسار کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ہاں مولوی عبیداللہ! جوتقریر کہ نواب صاحب کے ساتھ ہوئی تھی۔اس کی ذرا تفصیل تو بیان کرو۔خاکسار نے حافظ صاحب کے فرمانے کے مطابق تمام سرگذشت کہہ سنائی۔اس پر مولوی محمداحسن صاحب کہنے لگے۔مولوی عبیداللہ! تم نے بڑی غلطی کی۔جناب امیر سے وہ خدمت ہوئی ہے۔جوشیخین سے بھی نہیں ہوئی۔دیکھوحدیث میں آیاہے۔**یاعلی انک تقاتل الناس علی تاویل القرآن کما قاتلت علی تنزیلہ.** تاویل قرآن پر جناب امیر کاطلحہ وزبیراور معاویہ کے ساتھ جنگ کرنا ظاہرہے۔خاکسار نے عرض کیا۔کہ حضرت تنزیل قرآن پر مقاتلہ افضل ہے یا تاویل قرآن پر۔فرمانے لگے تنزیل قرآن پر افضل ہے۔میں نے عرض کیا۔امیر معاویہ سے مقاتلہ تاویل قرآن پر تھا۔یا تنزیل قرآن پر تھا۔ فرمانے لگے میں ابھی کہہ چکا ہوں وہ تاویل قرآن پر تھا۔میں نے کہا۔حضرت ابوبکرصدیق کا مقاتلہ مسلیمہ کذاب سے تاویل قرآن پر تھایا تنزیل قرآن پر۔مولوی صاحب کچھ گہری سوچ کے بعد کہنے لگے۔ہاں تنزیل قرآن پر تھا۔میں نے عرض کیا۔تواس حالت میں حضرت ابوبکرؓ کا جنگ بہ نسبت حضرت علیؓ کے جنگ کے افضل ٹھہرا۔شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی نے اس وقت مولوی سید محمد احسن صاحب امروہی کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔مولوی صاحب چاروں شانے چت۔

قاسم علی صاحب کا ذکر:

اس مباحثہ رامپور کا انجام یہ ہوا کہ قاسم علی خان قادیانی مولوی ثناءاللہ کا فونوگراف

بن گیا۔ ہر مجلس میں جماعت احمدیہ کا مضحکہ اڑانے لگا۔ چند ہی روز کے بعد قاسم علی خاں مدرسہ ہائی سکول رامپور کا پراکٹر مقرر ہوگیا۔ ہائی سکول میں عیسائی، آریہ، سناتن دھرم، وہابی، حنفی اور شیعہ مدرس تھے۔ جس سے خاکسار کا وقتاً فوقتاً مختلف مسائل پر مناظرہ ہوتا رہتا تھا۔ قاسم علی خان ہر مجلس میں میرے مواجہہ میں نہیں بلکہ میری غیبت میں مولوی محمد احسن صاحب کے مناظرے کا مضحکہ اڑاتے تھے۔ ایک روز امتحان ہو رہا تھا۔ دفتر سے متصل ایک کمرہ میں ٹیچرز جمع تھے۔ ان کے درمیان قاسم علی خان بیٹھے ہوئے نہایت مضحکہ انگیز تقریر کر رہے تھے۔ میں اُن کے نزدیک سے ہو کر گذرا۔ ایک پنڈت صاحب جو سناتن دھرمی تھے۔ اور سکول میں سنسکرت پڑھاتے تھے۔ انہوں نے کہا۔ آیئے مولوی صاحب آپ ہی کا ذکر خیر ہو رہا تھا۔ خان صاحب کچھ آپ کی جماعت کے حالات بیان کر رہے تھے۔ میں نے کہا خان صاحب مرفوع القلم ہیں۔ ان کے مبارک دہان کو خدا ہی لگام دے۔ خان صاحب یہ تو بتائیں۔ کیا دنیا بھر میں ایک ثناء اللہ ہی عالم رہ گیا ہے؟ کوئی اور بھی ہے یا نہیں۔ خان صاحب تنک کر بولے۔ ہمارے رامپور میں ایسے علماء موجود ہیں۔ جن کے سامنے ثناء اللہ زانوئے تلمذ بھی تہ نہیں کرسکتا۔ میں کہا ٹھیک! وہ کون بزرگ ہیں؟ کہنے لگے مولوی محمد شاہ صاحب محدث۔ میں کہا بہت بجا! آپ اُن کی خدمت میں خاکسار کا ایک سوال لے جائیں۔ کہ قادیانی کہتا ہے کہ حضرت مسیحؑ کے رفع پر ہم دل و جان سے اعتقاد رکھتے ہیں۔ آپ اس کے ساتھ جسمانی کی قید اور بڑھاتے ہیں۔ عربی میں چار لفظ انسانی قالب کے واسطے آئے ہیں۔ **جسم. جسد. جثمان. بدن**۔ اگر کسی حدیث میں **رفعه الیه بجسمه یا بجسدہٖ بجثمانه یا ببدنه** آیا ہو۔ تو مجھے دکھلا دیں۔ اس پر پنڈت صاحب فرمانے لگے۔ اگر خان صاحب لے آئے تو آپ ان کے ساتھ ہو جائیں گے۔ میں نے کہا۔ انشاء اللہ میں ان کے

ساتھ ہو جاؤں گا۔ اور اگر خان صاحب نہ لائے تو کف اللسان کا وعدہ کریں۔ کہ کسی انجمن میں میں قادیانی جماعت کی بدگوئی نہیں کروں گا۔ کہنے لگے بے شک! اچھا عہد ہے۔ اسے لکھ دو۔ چنانچہ میں نے لکھ دیا۔ پنڈت صاحب نے خان صاحب سے کہا۔ آپ بھی لکھ دیں۔ انہوں نے بھی لکھ دیا۔ اور دونوں کاغذ پنڈت صاحب نے اپنے پاس رکھ لئے۔ رامپور کے مدارس دفاتر میں بجائے اتوار کے جمعہ منایا جاتا ہے۔ دوسرے روز جمعہ کا دن تھا۔ خان صاحب مولوی محمد شاہ صاحب محدث کی خدمت میں پہنچے۔ اور میرا سوال عرض کیا۔ مولوی صاحب نے جواب دیا۔ میاں نماز پڑھو، روزے رکھو، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حیات و ممات کا مسئلہ اصول اسلام میں سے نہیں ہے۔ اصول اسلام میں سے تو انبیاء کی نبوت پر ایمان لانا ہے۔ ان کے اعمار اور ان کے سن وسال پر بالتفصیل اطلاع پانا جزو ایمان نہیں ہے۔ یہ مسئلہ حضرت عیسیٰ کی حیات ممات کامختلف فیہ چلا آیا ہے۔ معتزلہ ابن حزم اور امام مالک کی نسبت بھی مشہور ہے کہ حضرت عیسیٰ کی موت کے قائل تھے۔ قادیانیوں میں بھی پڑھے لکھے آدمی موجود ہیں۔ اگر صحیح حدیث یا ضعیف میں رفع جسمانی یا نزول جسمانی کا ذکر ہوتا۔ تو جھگڑا ہی کیا تھا۔ پھر تو تاویل کی گنجائش نہ رہتی۔ بے شک نزول کا لفظ احادیث میں آیا ہے۔ مگر اس کی تفسیر میں بھی بہت کچھ علماء کا اختلاف ہے۔ نواب صاحب نے مناظرہ کروایا تھا۔ ہم بھی اس میں شامل ہوئے تھے۔ ہمارا خیال تھا۔ کہ جانبین کی طرف سے اسلاف کی تصانیف کھلیں گی۔ اور ہم دیکھیں گے۔ کہ اثبات ونفی میں کیا کیا دلائل جانبین پیش کئے جاتے ہیں۔ قادیانیوں کا مولوی تو قال اللہ وقال الرسول بیان کرتا تھا۔ مگر مولوی ثناءاللہ تو مسخراپن کرتا تھا۔ کبھی داغ کا شعر پڑھتا۔ کبھی کسی کا شعر جو بالکل اداب علماء کے خلاف تھا۔ ہماری تو طبیعت منغض ہو گئی تھی۔

خانصاحب مولوی صاحب کی خدمت سے کبیدہ ہوکر چلے آئے۔ ہفتہ کے روز جب سکول کھلا۔تو میں نے پنڈت صاحب سے مطالبہ کیا۔کہ اب آپ خانصاحب سے جواب حاصل کریں۔ پنڈت صاحب کے بلانے پر جب خانصاحب تشریف لائے تو فرمانے لگے۔مولوی صاحب نے تو لٹیا ہی ڈبودی۔ پنڈت صاحب کہنے لگے۔ بھلا خانصاحب آسمان بھی کوئی ہگنے موتنے کی جگہ ہے۔کہ آپ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان پر چڑھاتے ہیں۔اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان پر ہیں۔تو پھر آپ کے پیغمبر صاحب کی کیا فضیلت باقی رہی۔

پنڈت صاحب کے اس فیصلہ دینے نے خانصاحب کے دل پر گہرا اثر کیا۔فرمانے لگے۔میں نے آج سے توبہ کی۔ مجھے کیا معلوم تھا کہ مولوی ثناءاللہ کی علماء کے نزدیک یہ وقعت ہے۔

اس روز سے خانصاحب احمدیت کی طرف مائل ہوگئے اور رفتہ رفتہ حضرت خلیفۃ المسیح الاول رضی اللہ عنہ کی بیعت کی۔خانصاحب کا بیعت میں شامل ہونا ایک چنگاری تھی۔جو بھُس میں لگ گئی۔تمام اکابر وساغر شہر بھڑک اٹھے۔حافظ احمد علی خاں صاحب شوق جو احمدیت کی مخالفت میں گہری دلچسپی لے رہے تھے۔جب ان کو معلوم ہوا تو انہوں نے نواب صاحب سے اجازت حاصل کر کے مولوی محمد ابراہیم صاحب سیالکوٹی کو بلوایا۔مولوی ابراہیم صاحب نے جامعہ مسجد رامپور میں احمدیت کے خلاف اپنے لیکچر کے درمیان اس امر پر نہایت زور دیا کہ توفی کا مادہ ادنیٰ ہے۔جس کے معنی پورا کر لینا اور بھر لینا۔مترجمین نے کئے ہیں۔اور یہ حقیقی معنی ہیں۔جو لفظ کے جوہر سے نکلتے ہیں۔مگر ان کے خلاف مرزا صاحب موت کے معنیٰ لیتے ہیں جو توفی کے مجازی معنی ہیں۔علماء فن بلاغت کے نزدیک کسی لفظ کے معنی حقیقی سے عدل کر کے مجازی معنی لینے کیلئے قرائن ثلاثہ میں سے کسی قرینے کا ہونا ضروری ہے۔اور بغیر قرینے کے مجازی معنے لینے جائز نہیں۔مرزا صاحب یا مرزا صاحب کے پیروؤں میں کوئی

بتائے۔ کہ یہاں کونسا قرینہ صارفہ عن الحقیقت موجود ہے۔ یہ بات زبان زدِ خواص وعام ہوگئی۔ رامپور کا مجسٹریٹ مولوی محمد نبی جو سخت مخالف احمدیت تھا۔ جا بجا اس مسئلہ کو شہرت دینے لگ گیا۔ اور نواب صاحب کے روبرو ذوالفقار علی خانصاحب پر ایک شب دباؤ ڈال کر کہنے لگا۔ کوئی مرد ہے تم میں کہ قرینہ صارفہ عن الحقیقت بیان کر سکے۔ نواب صاحب نے کہا۔ کہ خارجی کو بلاؤ۔ رات کا ایک بج چکا تھا۔ چوبدار نے آکر خاکسار کو جگایا۔ اور نواب صاحب کے دربار میں پہنچا۔ جاتے ہی نواب صاحب نے کہا۔ مولوی عبیداللہ قاسم علی خان کو کس نے قادیانی بنایا؟ میں نے عرض کیا نہ خانصاحب نے بنایا نہ میں نے بنایا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتابوں نے بتایا ہے۔ میں بھی اور خانصاحب بھی انہی کتابوں کو دیکھ کر قادیانی ہوگئے۔ قاسم علی خانصاحب بھی انہی کتابوں کو دیکھ کر قادیانی ہوگئے۔ اس پر نواب صاحب نے ارشاد فرمایا۔ کہ مولوی صاحب یعنی مولوی محمد نبی صاحب کچھ پوچھنا چاہتے ہیں۔ مولوی محمد نبی نے مولوی ابراہیم صاحب کی تقریر کا اعادہ کر کے کہا۔ کہ بتاؤ کونسا قرینہ صارفہ عن الحقیقت یہاں موجود ہے۔ جس کی وجہ سے موت کے معنی لئے جائیں۔

میں نے عرض کیا۔ میں قرینہ صارفہ عن الحقیقت عرض کر دیتا ہوں۔ مگر قبل اس کے کہ میں کچھ عرض کروں۔ کوئی منصف مقرر فرما لیا جائے۔ نواب صاحب کہنے لگے۔ تو جس کو بھی ہم منصف مقرر کریں گے۔ تم کہدو گے مولوی صاحب کا ہمصیفر ہے۔ تو کیا مردہ کوئی حکم مقرر کریں۔ میں نے عرض کیا ہاں بے شک! بے اختیار مولوی محمد نبی صاحب کی زبان سے نکلا۔ کہ ہم تو صحاح ستہ کے سوا کسی کو مانتے ہی نہیں۔ میں نے کہا۔ الحمدللہ نواب صاحب بولے۔ کہ واہ صحاح ستہ کوئی لغت کی کتاب ہے۔ یا کوئی بلاغت کی کتاب ہے۔ کہ تم اس میں سے قرینہ صارفہ عن الحقیقت نکالو گے۔ میں نے کہا حضور صحاح ستہ میں نکال دوں گا۔ مولوی محمد

نبی صاحب کہنے لگے ہم تو بخاری اور مسلم سے چاہتے ہیں۔ کہ تم نکال دو۔ میں نے کہا حضرت بخاری اور مسلم سے ہی سہی۔ نواب صاحب اس بات پر جھنجھلائے۔ کہ مولوی عبید اللہ دیوانے ہو گئے ہو۔ ہاں کسی جگہ توفی کے معنی موت کے آ گئے ہوں تو اور بات ہے میں نے عرض کیا۔ اسی آیت کے۔ کہنے لگے لاؤ تو بخاری۔ مہدی علی خاں تحویلدار کتب خانہ موجود تھا۔ اس کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ بخاری لے آؤ۔

میں نے اثرِ بن عباس نکال کر پیش کیا۔ قال ابن عباس **انی ممیتک**۔ میں نے کیا۔ حضور! یہ ہے۔ کہنے لگے مولوی انصار حسین اور مولوی علی رضا کو بلاؤ۔ وہ دونوں آ گئے۔ مولوی انصار حسین کی طرف اشارہ کر کے کہنے لگے۔ دیکھو تو کیا ہے۔ میں نے انگلی سے نشان رکھ کر دکھایا۔ میں نے کہا۔ نہ میں عرب، نہ مولوی صاحب عرب، نہ مولوی محمد ابراہیم صاحب عرب، امیر المومنین فی الحدیث امام بخاری عرب۔ سید المفسرین ابن عباس ابن عم رسول خدا عرب۔ جب کہ یہ دونوں موت کے معنی لیتے ہیں۔ تو اِن سے پوچھا جائے کہ کون سا قرینہ صارفہ عن الحقیقت ہے۔ انہوں نے کیوں اس کے معنی حقیقی چھوڑ کر مجازی لئے ہیں۔ اصحابی **کالنجوم بایھم اقتدیتم اھتدیتم**۔ ہم نے تو ابن عباس کے جو معنی دیکھے وہی کر لئے۔ اب مولوی صاحب اپنے معنی بھر لینے یا پورا کر لینے کے صحاح ستہ میں سے دکھا دیں۔ کہ کس صحابی نے لئے ہیں۔ مگر وہ کبھی دکھا نہیں سکیں گے۔ صحاح ستہ کے سوا مستدرک حاکم، مصنفہ ابن ابی شیبہ معاجم ثلاثہ طبرانی، مسند امام احمد بن حنبل اور دیلمی جو کتب احادیث ہیں ان میں سے بھی مولوی صاحب نہیں دکھا سکیں گے۔ **کنز المال من اوالہ الی اخرہ** دیکھ لیا گیا ہے۔ کسی صحابی نے ابنِ عباس کے اثر کے مخالف روائت نہیں کیا۔ حضرت مرزا صاحب نے ایک نحوی اصل پیش کر کے ایک ہزار روپیہ کا انعام مشتہر کرایا تھا۔ کہ صیغہ توفی باب تفعل سے ہو۔ اور خدا

فاعل اور مفعول بہ انسان ہو۔ تو سوائے قبض روح کے اور کوئی معنی نہیں ہو سکتے۔ خواہ موت ہو خواہ خواب ہو۔ مگر خواب کے معنوں میں لیل وغیرہ کا قرینہ دال ہوتا ہے۔ جیسے **ھو الذی یتوفاکم باللیل**۔ اور بغیر قرینہ کے موت ہی کے معنی لئے جاتے ہیں۔ جیسے **توفنا مع الابرار**۔ مولوی انصار حسین نے دیکھ کر اپنے شیعہ پنے کا اظہار کیا۔ اور کہا کہ بخاری میں یہی ملغوبہ بھرا ہوا ہے۔ جس سے قادیانیوں نے بھی فائدہ اٹھایا ہے۔ مولوی انصار حسین کا یہ کہنا مجھے سخت برا معلوم ہوا۔ میں نے کہا۔ کہ جناب آپ کے ہاں بھی تو یہی معنی ہیں۔ آپ بھی تو دوسرے معنی نہیں لیتے۔ نواب صاحب تعجب سے کہنے لگے۔ کیا شیعوں میں؟ میں نے کہا۔ ہاں حضور! شیعوں میں۔ کہنے لگے۔ کس کتاب میں؟ میں نے کہا۔ تفسیر مجمع البیان طبرسی میں۔ مہدی علی خان کو کہنے لگے ذرا مجمع البیان طبرسی تو لاؤ۔ کتب خانہ بہت نزدیک تھا۔ مہدی علی خاں نکال کر لے آئے۔ میں نے **فلما توفیتنی** نکال کر پیش کیا۔ **قال الجماعی اے امتی**۔ نواب صاحب نے دیکھ کر حافظ احمد علی خاں شوق سے غصہ کے لہجہ میں کہا۔ قادیان میں تو سالہا سال سے وفات مسیح کے متعلق شب روز بحثیں ہوتی رہتی ہیں۔ اچھا ہوا کہ عبید اللہ جامع مسجد میں نہیں گیا۔ اگر یہی دو حوالے پیش کرتا۔ تو مولوی ابراہیم سیالکوٹی کی کیا وقعت رہتی۔ تم نے پانچ سو روپیہ میرا برباد کیا۔ آیندہ ایسے مناظرات بند کئے جائیں۔

☆ میرے تایا صاحب کی لڑکی کی لڑکی میرے گھر تھی۔ جب وہ فوت ہو چکی تو میری والدہ صاحبہ نے میری شادی یحیٰی پیر صاحب مخدومی کشمیری جو امرتسر میں آ گئے تھے، اُن کی بڑی سے چھوٹی لڑکی کے ساتھ کر دی۔ اس کے بطن سے ایک لڑکی پیدا ہوئی جو جوان اور صاحب اولاد ہو کر مر گئی۔ دو بچے اور تین لڑکیاں چھوڑ گئی۔ اُس لڑکی کے مرنے کے بعد اس کی والدہ کو ایک

☆: ۷ مارچ ۱۹۳۹ء

بچہ ہوا جو بصورت اسقاط ضائع ہوگیا۔اس کے اسقاط کے بعد میری بیوی کو نطوء الرحم کا مرض ہوگیا۔جس کی وجہ سے فرضِ زوجیت ادا کرنے کے نا قابل ہوگئی اس کی بہنوں میں سے ایک بہن منشی مہدی خاں وزیراعظم ریاست بہاولپور کے گھر میں تھی۔ دوسری بہن سید محمد امیر آنریری مجسٹریٹ لاہور کے گھر میں تھی۔تیسری بہن ایک مالدار ٹھیکیدار شیخ احمد دین لاہور کے گھر میں تھی۔تینوں بہنوں نے اتفاق کر کے اپنی بہن کو جو میری بیوی تھی ،اپنے پاس رکھنا مناسب سمجھا۔ کیونکہ لیڈی ڈاکٹر لاہور نے یہ رائے دی تھی۔ کہ اول تو یہ فرض زوجیت ادا کرنے کے قابل ہی نہیں ہے۔اور اگر اپنے شوہر کے پاس جائیگی تو ضرور بیمار ہو جائیگی۔اور لاعلاج ہو کر مر جائیگی۔اس واسطے اس کو شوہر کے پاس رہنا جائز نہیں۔میرے ہمزلف احمد دین ٹھیکیدار اور سید محمد امیر مجسٹریٹ نے باہمی فیصلہ کیا کہ دباؤ ڈال کر عبید اللہ سے مہر وصول کر لیا جائے۔ کیونکہ ہماری سالی کا تعلق اب عبید اللہ کے ساتھ قائم نہیں رہ سکتا۔اور اگر قائم رہے تو خطرہ جان کا ہے۔انہوں نے بوساطت خان محمد شاہ آنریری مجسٹریٹ امرتسر مہر کا مطالبہ کیا ۔اور ایک مکان کو میری بیوی کے نام لکھوالیا۔اور مہر وصول کرنے کے بعد کہدیا۔کہ خواہ اس کو طلاق دو۔خواہ اس کو اپنی بیوی کو سمجھو یا نہ سمجھو۔مگر یہ تمہارے گھر میں نہیں رہ سکتی۔آج (۱۹۳۳ء) تک وہ بقیدِ حیات اپنی بہنوں کے پاس ہے۔میں نے ہر چند مصالحت کی کوشش کی۔لیکن بجز اس کے کہ میں جاؤں۔اور اُن سے بہنوئیوں کے گھر میں بات چیت ہو جائے۔ اور کسی قسم کا تعلق نہیں رہا۔میری والدہ صاحبہ نے جب گھر اُجڑتا دیکھا۔تو ایک غلامی خاں پٹھان امرتسر کی لڑکی سے میری شادی کی یہ عجیب واقعہ پیش آیا۔کہ وہ اپنے والدین کے گھر سے تپ دق ساتھ لائی۔بجز ایک شب کے اس کی ملاقات مجھ کو کوئی نصیب نہیں ہوئی۔شادی کے دوسرے دن وہ ایسی بیمار اور تپ دق میں مبتلا ہوئی کہ چھ مہینے بیمار رہ کر راہی آخرت

ہوگئی۔ میری والدہ اس کے چھ مہینے کے بعد فوت ہوگئیں۔ میں بیک بنی و گوش خانہ بردوش رہ گیا۔ میں اپنی پہلی بیوی کے پاس گیا۔ اور خاتون سے کہا کہ اب تم مجھ سے علیحدہ ہوچکیں۔ مہر وصول کرلیا۔ میں اب وطن سے بے وطن ہوتا ہوں۔ وہ آب دیدہ ہوکر کہنے لگیں۔ کہ میں بھی اس میں بے بس ہوں۔ میں آپ کے قابل نہیں۔ میں نے امرت سر سے دل اٹھالیا۔ اور کراچی پہنچا۔ کراچی میں کپتان وائٹ صاحب سے ملاقات ہوئی۔ انہوں نے مجھ کو اپنی فارسی تعلیم کے لئے مقرر کیا۔ میں ایک سال بھر ان کے ساتھ رہا۔ جب وہ ولایت کو جانے لگے۔ تو مجھ کو جرنیل عظیم الدین خان مدارالمہام ریاست رامپور کی طرف چٹھی لکھ دی۔ میں نے وہاں (یعنی رامپور میں) ایک سیدوں کے گھر شادی کی۔ جس میں سے مظہر اللہ لڑکا اس وقت مردان میں ہے۔ اتفاقاً اس کے کولھے پر پڑا نکلا۔ ان دنوں تمام ہندوستان بھر میں طاعون پھیلی ہوئی تھی۔ چھ مہینے تک وہ بڑھتا رہا۔ آخر بہت سے علاج کے بعد وہ پھوٹا۔ اور قریباً ایک گھڑا بھر پیپ اس میں سے نکلی۔ اس کا بھائی حشمت علی اس کو لاہور لے کر آیا۔ زنانہ میو ہسپتال میں ایک سال بھر سے زیادہ عرصہ بیمار رہ کر فوت ہوگئی۔ مجھ کو اب خانہ داری کی پھر ضرورت پیش آئی۔ میرے پاس رامپور میں ایک شخص مظفر خان آیا۔ جو نگینہ سازی کا کام کرتا تھا۔ مجھے کہنے لگا کہ میری سالی کی لڑکی نوجوان ہے۔ آپ کا کوئی خرچ نہیں آئیگا۔ آپ کی شرافت کو ہم برسوں سے دیکھ رہے ہیں۔ اس واسطے میں آپ کے پاس خود آیا ہوں۔ آپ اگر نکاح کرنا چاہتے ہیں۔ تو میں کرادیتا ہوں۔ میں نے اُس سے نکاح کرلیا۔ جس سے ایک لڑکا اور تین لڑکیاں پیدا ہوئیں۔ پھر میں بوجہ ایک سکنی زمین کے تنازع کے رامپور سے امرتسر آیا۔ وہ بچے اور بیوی میرے ساتھ تھے اور آکر ارادہ کیا کہ اب میں رامپور نہیں جاؤنگا۔ قادیان میں پرشین ہیڈ ٹیچری پر کام کرنے لگا۔ میرے رامپور سے علیحدہ ہونے کے بعد میری

بیوی کی خالہ کی ایک نوجوان لڑکی سے نواب صاحب نے عقد کرلیا۔نواب صاحب رامپور کے پاس جب ارجح المطالب پہنچ چکی۔تو چونکہ نواب صاحب بچپن سے خاکسار کی گود میں پلے تھے۔انہوں نے مجھ کو شیعہ سمجھ کر اپنے نانان نواب عنایت حسن خاں کے ذریعہ جو مجھ سے فارسی پڑھا کرتے تھے، ولی عہد بہادر کی اتالیقی کے لئے بلا بھیجا۔ میں اپنے اہل وعیال کو قادیان میں چھوڑ کر رامپور گیا۔ کیونکہ میرا ارادہ قادیان کو چھوڑنے کا نہ تھا۔نواب صاحب نے بجائے اس کے کہ میری سابقہ ملازمت کتب خانہ کی رجسٹراری پر مامور فرماتے۔ مدرسہ رامپور کی عربک ہیڈ ٹیچری پر مامور کیا۔ چونکہ شیعہ مذہب سے میرے مباحثات شروع ہو چکے تھے اور شیعہ مذہب کے پیروؤں نے میرے برخلاف زہر اگلنا شروع کر دیا تھا۔ اور نواب صاحب بھی بباعث ومباحثات کے مجھ سے کبیدہ ہو گئے تھے۔اس لئے نواب صاحب کی اُس بیوی نے جو میری بیوی کی خالہ کے بطن سے تھی۔نواب صاحب پر اندرونی طور پر زور دیا۔ کہ میری بہن کو بلوادیں۔اور نواب صاحب مجھ کو وقتاً فوقتاً انھا میاں کی معرفت اور چھٹن صاحب کی معرفت کہلا بھیجتے تھے کہ گھر کے لوگوں کو کیوں نہیں لاتا۔ میں ریاست کا رنگ دیکھ کر قادیان سے اپنے گھر بار کا اٹھانا مناسب نہیں سمجھتا تھا۔ اور نواب صاحب کو امروز وفردا کہہ کر پیچھا چھڑا تا تھا۔ اِسی اثناء میں پنڈت موہن لال باشندہ قادیان کا بیٹا بابورام ریاست جے گڑھ سے میرے پاس پہنچا۔(کیونکہ میں پنڈت موہن لال کی لڑکی کا علاج کر چکا تھا اور پنڈت موہن لال اُن دنوں وساوا سنگھ ناظم اجے گڑھ کے پاس رہتے تھے۔اور وساوا سنگھ کی بھتیجی بیمار ہو چکی تھی۔اس واسطے حسب فہمائش وساوا سنگھ اپنا لڑکا بھیج کر مجھ کو علاج کیلئے بلوایا۔اور میں اس کے ساتھ اجے گڑھ کو بحصول رخصت چلا گیا۔) وہاں اجے گڑھ میں مجھ کو تین مہینے ٹھہرنے کا اتفاق ہوا۔ میں ابھی اجے گڑھ میں ہی تھا۔ کہ نواب صاحب نے موقعہ پا کر میری

بیوی کے ماموں نظیر خان کو قادیان بھیج کر معہ بچوں کے اُسے رامپور بلوا لیا۔ میں نے اجے گڑھ سے سو روپیہ کا منی آرڈر قادیان میں اپنی بیوی کی طرف بھیجا۔ اور اجے گڑھ میں ہی وہ روپیہ مجھ کو واپس ملا۔ کہ مکتوب الیہ یہاں نہیں ہے۔ راجہ صاحب اجے گڑھ کو گھٹنوں کے درد کی بیماری تھی۔ میں نے علاج شروع کیا ہوا تھا۔ میں نے راجہ صاحب سے رخصت طلب کی۔ راجہ صاحب چھوڑتے نہیں تھے۔ کیونکہ ان کو کچھ افاقہ ہو رہا تھا۔ لیکن میں روپے کے واپس ملتے ہی بہت بے چین ہو گیا۔ اور رامپور کی طرف روانہ ہوا۔ رامپور پہنچتے ہی مجھ کو معلوم ہوا۔ کہ نظیر خان جا کر میری بیوی کو قادیان سے معہ بچوں کے اٹھا لایا ہے۔ میں نظیر خان کے مکان پر گیا۔ تو وہاں اس کا بڑا بھائی نجن خان مجھ سے ملا۔ اور کہنے لگا کہ ہاں تمہاری بیوی آ گئی ہے۔ اور نواب صاحب کے محل سرائے میں ہے۔ اپنی بہن کے پاس اور ساتھ ہی مجھ کو یہ بھی کہا کہ تم لامذہب ہو۔ ہماری بھانجی کا نکاح تم سے کب رہا۔ یہ سن کر میرے حواس باختہ ہو گئے۔ لیکن مجبوراً سنگ آمد سخت آمد کہہ کر خاموشی اختیار کی۔ اُس وقت رامپور میں میرا کوئی پُرسانِ حال نہ تھا کبھی یہ دل چاہتا تھا۔ کہ ملازمت ترک کر کے چلا جاؤں۔ پھر یہ خیال آتا تھا کہ نہیں صبر کرنا چاہئے۔ اور کوئی تدبیر سوچنی چاہئے۔ بڑے دنوں کی سوچ کے بعد توبہ واستغفار کرتے کرتے خیال آیا کہ یہ پریشانی رفع نہیں ہو سکتی۔ اس کا علاج یہی ہے کہ بازاروں میں روٹی کھانے اور بیمار پڑنے کی بجائے کسی جگہ عقد کر لیا جائے۔ شائد اِس وجہ سے غم غلط ہو۔ ایک ماما خدمتگار رکھ لیا۔ وہ روٹی پکایا کرتی تھی۔ اُس نے مجھ کو خاموش پا کر کہا۔ میاں تمہاری بیوی ہے یا نہیں۔ میں نے کہا۔ تھی تو سہی۔ شائد اس کو کچھ حال معلوم تھا۔ میں نے کہا۔ یہ حالت ہے۔ اس نے کہا۔ میں شریفوں کے ہاں تمہاری شادی کرا دیتی ہیں۔ اس نے جا کر ملا حمید شاہ خاں سے ذکر کیا۔ کہ تمہاری بہن بیوہ ہو چکی ہے دو بچے رکھتی ہے۔ بہتر ہے کہ تم اس کی فلاں

جگہ شادی کردو۔ انہوں نے کچھ آرے بلے کیا۔ اس نے آکے کہا کہ وہاں تو کچھ دال گلتی نہیں ہے۔ لیکن میں ایک اور جگہ تجویز کرتی ہوں۔ اُس نے مولوی حامد شاہ خان صاحب مولوی محمد شاہ صاحب محدث کے بیٹے سے ذکر کیا۔ انہوں نے فرمایا۔ کہ وہ تو غیر مذہب والا ہے۔ ان کو لڑکی کون دیگا۔ میرے دوست ہیں۔ میں ان کو خوب جانتا ہوں۔ ہاں اگر کرنا چاہتے ہیں۔ تو صدن خاں کی بیوہ بھانجی سے کرلیں۔ آدمی شریف ہیں۔ میں نے کہا۔ مولوی صاحب نے تجویز کی ہے۔ تو اچھی جگہ ہوگی۔ کیونکہ دوست ہیں۔ شادی کرلی۔ میری قسمت سے وہ ایک ٹانگ کی لنگڑی، ایک ہاتھ رہا ہوا۔ چلنے پھرنے سے معذور، لٹھیا لے کر چلے اور وہ بھی گر پڑے۔ لیکن شکل وصورت نہایت پاکیزہ جیسے کہ ہاتھی دانت کی مورت ہوتی ہے۔ وہ بچاری گھر میں آئی تو دل بجھ گیا۔ کہ الٹی خدمت کرنی پڑے گی۔ لیکن خدا نے اس سے نرینہ اولاد دی۔ بعد اس کے ملا حمید شاہ خاں میرے پاس آیا۔ چونکہ اس کے والد ماجد احمد شاہ خانصاحب سے میری ملاقات تھی۔ وہ اکثر مجھ کو اپنے گھر میں لے جاتے تھے۔ اور دعوت کیا کرتے تھے۔ اور حضرت اقدسؑ کی باتیں سنا کرتے تھے۔ قریب تھا۔ کہ وہ احمدی ہو جاتے۔ مگر قضا نے ان کو مہلت نہ دی۔ اُن کے فرزند ملا حمید شاہ خان تھے۔ جن کی ہمشیرہ بیوہ ہو چکی تھیں۔ اور دو بچے صغیر رکھتی تھی اور کسی قدر خواندہ بھی تھیں۔ انہوں نے مجھ کو اس سے نکاح پر مجبور کیا۔ چونکہ میں پہلی بیوی کی خدمت سے اکتایا ہوا تھا۔ میں راضی ہو گیا۔ مگر ملا حمید شاہ خان کو کہا کہ اپنی بہن کو کہدو۔ کہ میں حضرت عیسیٰؑ کی وفات کا قائل ہوں۔ جس کی وجہ سے یہاں کے لوگ مجھ کو برا جانتے اور برا کہتے ہیں۔ اس نے جواب دیا۔ جبکہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فوت ہو چکے ہیں۔ ہم ان کا وفات نامہ پڑھتے ہیں۔ تو ہمارے نزدیک تمام نبی فوت ہو چکے ہیں۔ میں حضرت عیسیٰؑ کو آنحضرت ﷺ سے افضل نہیں جانتی۔ پر میری خود عقل

نہیں کہتی ۔ کہ حضرت عیسیٰؑ آسمان پر ہوں ۔ میں نے یہ بات سن کر قیاس کرلیا۔ کہ احمدیت قبول کرنیکا مادہ اس میں موجود ہے نکاح ہوگیا۔ نکاح کے چند دن بعد مجھے خبر ملی ۔ کہ وہ عورت بچوں والی جونواب صاحب کے گھر میں تھی ۔ پانچ سال رہنے کے بعد مرگئی ہے ۔ اور بچوں کو اس کا ماموں نظیر خاں اپنے مکان پر لے آیا ہے ۔ (اس پانچ سال کے عرصہ میں نواب صاحب نے مجھے بیوی اور بچوں کی شکل تک نہ دکھائی) ۔ کبھی دربار میں بلاتے تو نظر نہ ملاتے ۔ سمجھتے کہ یہ خارجی ہے ۔ صرف احمدیت ہی وجہ نہ تھی ۔ بلکہ شیعیت سے عناد بھی اس کا باعث تھا)نظیر خاں ایک مقدمہ میں ماخوذ ہوگیا ہے ۔ بچے اس کے بھائی نجن خاں کے زیر نگرانی ہیں ۔ میں نے جا کے نجن خاں کے بہنوئی منور خاں سے نہایت منت اور سماجت سے کہا کہ یہ بچے مجھ کولا دو ۔ اس نے جواب دیا۔ کہ بغیر نواب صاحب کے حکم کے ہم تم کو ان کی صورت بھی نہیں دکھا سکتے ۔ یہاں علماء اور عوام تم کو لا مذہب کہتے ہیں ۔ تم بھنگیوں سے بدتر ہو ۔ ہم کس طرح ان بچوں کو تمہارے حوالے کر کے عیسائی بنادیں ۔ کیونکہ تم اور عیسائی ایک ہو ۔ میں یہ سخت جواب سن کر مایوس ہو کر چلا آیا ۔ میرا چہرہ سخت اترا ہوا تھا ۔ میری بیوی نے میرے سامنے کھانا رکھا ۔ میں نے کہا ۔ کہ میری طبیعت نہیں چاہتی ۔ کہ میں کھاؤں ۔ اُس نے سبب پوچھا ۔ میں نے اس کی ضد پر سبب بتایا ۔ اس نے کہا کہ میں اس کی ایک تدبیر کرتی ہوں ۔ میری دوسری بیوی کو بلا کر کہا ۔ کہ تمہارے ماموں کا داماد حسن خاں اگر آئے تو میرے پاس بھیج دینا ۔ بلکہ ہو سکے تو اس کو بلا بھیجو ۔ اس نے اپنے بہنوئی کو جو اس وقت اتفاق سے آیا ہوا تھا ۔ کہا کہ حسن خان کو جا کر بلا لاؤ ۔ مغرب کے بعد حسن خاں میرے مکان پر آیا ۔ حسن خاں کو جو ہمارے گھر سے دو میل کے فاصلے پر رہتا تھا ۔ کہا کہ نجن خان سے تمہاری ملاقات ہے ۔ تم کسی تقریب سے اس کے گھر کے لوگوں کی دعوت کرو ۔ اور میرا تمام قصہ کہہ سنایا ۔ وہ

کہنے لگا۔ قصہ تو مجھے کو معلوم ہے۔ مگر نواب صاحب کا اس میں پاؤں ہے۔ مجھ پر کوئی آفت نہ آجائے۔ دوم اس میں خرچ کی ضرورت ہے۔ جو تدبیر میں بتاؤں اس طرح سے کیا جائے تو ہوسکتا ہے۔ وہ یہ ہے کہ میں اب اپنے دونوں بیٹوں کا ختنہ کرنا چاہتا ہوں۔ لیکن میرے پاس سرمایہ نہیں ہے۔ مولوی صاحب اپنے ذمہ لے لیں۔ تو اس طریقہ سے میں نجن خاں کے گھر کے لوگوں کو بلاؤں۔ اس پر پچاس روپے صرف ہونگے۔ میں نے کہا۔ یہ تو بہت خرچ ہے۔ لیکن اس نے کہا کہ اس سے کم نہیں ہوگا۔ دس پندرہ روپے تو میں خرچ کرونگا۔ اور باقی اپنی ضرورت میں لاؤنگا۔ میں نے خیال کیا۔ کہ یہ بات اب ظاہر ہوگئی ہے۔ اگر اس کا کہنا نہ مانا تو یہ بھی دشمن ہوجائیگا لہذا بہتر ہے کہ پچاس روپے خرچ کر کے اپنا مطلب حاصل کرلیا جائے۔ مگر یہ شرط ٹھہری کہ جس وقت میں بچوں پر قابو پالوں، اُس وقت روپیہ دیا جائے۔ اُس نے کہا۔ کہ پندرہ روپے تو بالفعل کھانے وغیرہ کے لئے دیدیئے جائیں تا کہ میں سامان کروں۔ میں نے اس کو بازار سے سامان ایک دیگ کا لے دیا۔ اور اس نے اپنے بچوں کے ختنے کا اعلان کیا۔ چونکہ نجن خاں کے ساتھ اس کا تعارف تھا۔ اس کی بیوی اور بچوں کو مدعو کیا۔ اُن میں سے چھوٹی بچی کہیں گاؤں میں انہوں نے اپنے کسی رشتہ دار کے پاس چند یوم کیلئے بھیجی ہوئی تھی۔ جس کی عمر کوئی چھ سال کی تھی۔ بڑی کی نو سال اور اس سے بڑی کی گیارہ سال کی عمر تھی۔ اور لڑکا قریباً تیرہ سال کا تھا۔ نجن خاں کی بیوی ان بچوں کو لے کر حسن خاں کے مکان پر رات کے وقت پہنچ گئیں۔ چونکہ برقعہ کا رواج رامپور میں نہیں ہے۔ (وہاں مستورات ڈولیوں میں بیٹھ کر جاتی ہیں) ٹانگے میں بیٹھ کر نجن خاں کے گھر کے لوگ آئے۔ کھانا کھا کے جس وقت سوار ہونے لگے۔ تو گلی کی نکڑ پر میں نے اپنے دو ٹانگے پہلے سے کرایہ پر لے رکھے تھے۔ ایک میں میری بیوی بیٹھی تھی۔ جب وہ ٹانگے میں سوار ہوکر چلے تو رات کا

اچھا حصہ جا چکا تھا۔ میں نے تمام بچوں کو سوائے اس لڑکے کے جو اس وقت موجود نہیں تھا اور چھوٹی لڑکی کے زبردستی اپنے ٹانگے میں بٹھا لیا۔ نجن خان کی بیوی واویلا کرتی رہی۔ اور اس کے ساتھ والیاں بھی۔ لڑکیوں کو اپنی بیوی کے ساتھ اور آپ اور بڑا لڑکا کا مظہر اللہ دوسرے ٹانگے میں بیٹھ کر اپنے مکان پر پہنچے۔ نجن خان کی بیوی وہاں سے روتی چلاتی نواب صاحب کے پاس پہنچی۔ نواب صاحب نے اس وقت ان کو جواب دیدیا کہ اچھا ہوا۔ اپنی اولاد لے گیا ہے۔ ورنہ لڑائی ہوتی۔ تم پیچھا مت کرو۔ لیکن ظاہر تو یہ کہا۔ اور باطن میں غصہ سے بھر گئے۔ میں نے نواب دولھا (نواب صاحب کے داماد) سے تمام ماجرا بیان کیا۔ چونکہ وہ پوشیدہ سنی المذہب تھے اور پہلے ہی سے نواب صاحب کی حرکت پر کف افسوس ملتے تھے لیکن کچھ کر نہیں سکتے تھے۔ انہوں نے کہا میرے نزدیک بہتر ہے۔ کہ نجن خاں کے ساتھ مصالحت کر لی جائے۔ چنانچہ انہوں نے مولوی الٰہی بخش مرجان رقم کے بیٹے غفران سے جو نجن خاں سے گفتگو شروع کی۔ نجن خان بظاہر تو یہ نہ کہہ سکا۔ کہ ہم جو کچھ کر رہے ہیں۔ کسی زبردست ایماء سے کر رہے ہیں۔ البتہ اس نے اپنے افلاس کا حال بیان کیا۔ غفران نے کہا کہ میں سو روپیہ تم کو لا دیتا ہوں۔ اُس نے آ کر نواب دولہا سے ذکر کیا کہ سو روپیہ پر فیصلہ ہوتا ہے۔ چھوٹی لڑکی بھی دیدیتے ہیں۔ نواب دولھا نے مجھ سے جب یہ کہا۔ تو میں نے کہا۔ کہ میں زیادہ سے زیادہ پچاس روپے دے سکتا ہوں۔ اور میں قرض کہاں سے لے سکتا ہوں۔ ہاں اگر آپ ضامن ہو جائیں تو تھوڑے دنوں کے بعد دیدونگا۔ نواب دولھا صاحب نے پچاس روپے اپنے پاس سے دیئے۔ وہ لڑکی بھی اور لڑکا بھی مجھ کو مل گئے۔ اور نواب دولھا صاحب نے نجن خاں سے لکھوا لیا۔ کہ آیندہ کوئی ایسی حرکت نہیں کی جائیگی۔ اور ہمارا کوئی دعویٰ نہیں۔ اور نواب صاحب سے عرض کر دیا۔ کہ اس طرح دونوں کی مصالحت کرادی ہے۔ نواب صاحب

بولے۔ بہت اچھا کیا۔ بہت اچھا کیا۔ بہت اچھا کیا تین دفعہ کہا۔اس کے چند دنوں کے بعد مولوی محمد ابراہیم صاحب سیالکوٹی کا وعظ ہوا۔اور پھر فتنہ خفتہ جاگ اٹھا۔اور نواب صاحب کے سامنے مولوی محمد نبی مجسٹریٹ سے میری گفتگو ہوئی۔ جو آگے بیان کی جا چکی ہے۔اور وہ سلسلہ عالیہ احمدیہ کا عدوِ عنید تھا۔اور بھی غصہ میں بھر گیا۔ چنانچہ احمدی علی خان شوق اور مولوی محمد نبی مجسٹریٹ نے میرے محلّہ میں سے ایک شریر النفس تعلقہ دار حاجی ببن خان نامی کو باجازت نواب صاحب میرے خلاف اکسادیا۔اُس نے تمام محلے والوں کو بلا کر میرے مار ڈالنے اور زدوکوب کرنے پر ابھارا۔ اور گلی کوچہ میں چلنا مجھ پر دشوار ہوگیا۔ ہر طرف سے اینٹ پتھر گالی گلوچ ہونے لگا۔ اُس وقت میرے پاس عبدالمجید (کبابیہ) جو اس وقت قادیان میں ہے۔میرے گھر کے نزدیک رہتا تھا۔اور محمد خان کمپونڈر جس نے بعد میں یوسف اور سلیمان ہونیکا دعویٰ کیا۔ہم تین آدمی ایک ہی محلّہ میں رہتے تھے۔قاسم علی خان مجھ سے کچھ ایک محلّہ کے فاصلہ پر تھے۔ان چاروں کے لوگ درپے ہوگئے۔ بچے سے لیکر بوڑھے تک ہمیں گالیاں دیتے تھے۔عورتیں گالیاں دیتی تھیں۔جس مکان میں رہتا تھا۔ایک روز محلے والوں نے اس کا محاصرہ کرلیا۔ پانی بند کردیا گیا۔اینٹ پتھر گارا کیچڑ گوبر جواُن کے ہاتھ لگا۔ گھر میں پھینکنے لگے۔ میں ان بچوں کو یہ سمجھا کر کہ دیکھو کسی اینٹ روڑے کا جواب نہ دینا۔کسی کو لگ گیا تو الٹا مقدمہ ہوجائیگا۔ دروازہ بند کرکے اندر دالانوں میں بیٹھے رہو۔ باہر نہ نکلو۔ ورنہ زخمی ہوجاؤ گے۔ چندہ خاں احمدی کے ساتھ جو اتفاقاً اسوقت میرے پاس آیا ہوا تھا۔بھوکا پیاسا گھر سے نکلا۔اُس روز ہم نے کوئی کھانا نہ پکایا۔ نہ پکا سکتے تھے۔میری بیوی نے اندر گھس کے سوکھے آٹے کو آگ پر بھون کر گھی اور گڑ ڈال کر پنجیری بنائی۔وہی ہم نے کھائی۔ لیکن پانی اس روز ایک گھونٹ تک میسر نہ آیا۔ میں گلی کوچہ سے چھپتا چھپتا سکول کے محاذ میں

جہاں میری دوسری بیوی رہتی تھی صدن خان کے پاس گیا۔لیکن صدن خان کی بھی آنکھیں بدلی ہوئی تھیں۔اُس نے کہا کہ میں برداشت نہیں کرسکتا کہ تم پر پتھر برستے ہوں۔ جہاں تمہارے سینگ سمائیں چلے جاؤ۔محمد خاں بریلی چلا گیا۔عبدالمجید بھی گھر چھوڑ کر کہیں چلا گیا۔ میں تمام دن بھوکا پیاسا اسکول میں رہا۔ رات کے وقت جب نصف رات گذر چکی تو گھر میں پہنچا۔اس وقت گلی کوچے سب خالی تھے۔اپنے بیوی بچوں کوساتھ لے کر غیر رستہ سے ہوتا ہوا ہندوؤں کے کوچہ میں پہنچا۔ جہاں میں نے ایک مکان کرایہ پر لے رکھا تھا۔ وہاں جا کر ایک مسجد سے پانی بھرا جو کھاری تھا۔ وہی پیا۔اوراُسی سے روٹیاں پکائیں اور کھائیں۔ کیونکہ بچے سب بھوکے اور پیاسے تھے۔ وہاں مجھ کو دست آنے لگ گئے۔جس کی وجہ سے میں حس وحرکت نہ کرسکا۔ میرا ارادہ تھا کہ میں رامپور سے باہر نکل جاؤں۔ کہ چار روز کے بعد جبکہ ابھی مجھے پورا افاقہ نہیں ہوا تھا۔ایک دن رات کے دو بجے مجسٹریٹ محمد نبی خاں اورشرف الدین خان کوتوال قریباً ساٹھ آدمی پولیس کے لے کر مجھ کو تلاش کرتے ہوئے پہلے اس گھر میں گئے ،جس جگہ میں رہا کرتا تھا۔ پھر صدن خان کے گھر گئے۔لیکن ان میں ایک محمد نبی پولیس میں نوجوان تھا اس نے کہا میں بتا تا ہوں۔ وہ نجن خان کا رشتہ دار تھا۔ وہ لیکراس ہندوؤں کے کوچہ میں پہنچا۔ جو سّتھی کے کوئیں کے نام سے مشہور تھا۔اس محمد نبی نے مجھ کواس کوچہ میں گھستے ہوئے دیکھا تھا۔محمد نبی کی راہنمائی سے یہ سب لوگ میرے مکان پر آئے۔ اور میرا مکان چاروں طرف سے گھیر لیا۔اور دروازہ کھٹکھٹایا۔ میں نیند سے اٹھ کر کرتہ اور پاجامہ پہنے ہوئے سر سے ننگا خبر لینے کے لئے کہ دروزاہ پر کون ہے۔ باہر نکلا۔ دروازے پر دو سپاہیوں نے میرے دونوں بازو پکڑ لئے۔ اور مجسٹریٹ صاحب نے جو سامنے کمر پر ہاتھ رکھے کھڑے تھے۔اُن کی طرف اشارہ کیا۔ دیکھو مجسٹریٹ صاحب کیا فرماتے ہیں۔ میں نے کہا خیر باشد

کیسے تشریف آوری ہوئی۔ کہنے لگے نجن خاں نے تم پر دعویٰ کیا ہے۔ میں نے کہا۔ کیسا! کہنے لگے اس کی بھانجی کی لڑکیاں تمہارے پاس ہیں۔ میں نے کہا۔ عقلاً، عرفاً، شرعاً، قانوناً اس کا کیا حق ہے۔ جواب ملا۔ ہماری گورنمنٹ۔ اور سپاہیوں کو حکم دیا کہ اندر گھس کے ایک ایک بچے کو پکڑ لو۔ چاروں بچے یعنی ایک لڑکا اور تین لڑکیاں تھیں، ان کو زیر حراست کرلیا۔ خالق رضا اور ہادی رضا دونوں بچوں کو چھوڑ دیا۔ کیونکہ یہ غیر ماں سے تھے۔ میری بیوی کچھ اندر سے بولنے لگی۔ کہ دیکھو تم پردے میں چلے آئے ہو۔ اور بلا اطلاع تم اندر گھس آئے ہو۔ کوئی ستر وحیا نہیں ہے۔ مجسٹریٹ صاحب نے کہا۔ خاموش! زبان کاٹ لی جائیگی۔ ان چاروں بچوں کو تانگے میں بٹھا کر نجن خان کے حوالے کر دیا۔ کوچے سے باہر لا کر میری جامہ تلاشی لی گئی۔ میں تعجب میں تھا کہ ایک ڈاکو یا بٹ مار کے واسطے اس قدر پولیس جمع نہیں ہوتی۔ جو مجھ ایک عاجز اور ناتواں انسان کے واسطے جمع ہوگئی ہے۔ لیکن بجائے حواس باختہ ہونے کے میرا دل اس وقت نہایت قوی تھا۔ باہر ایک شخص کی چارپائی پر بستر بچھا ہوا تھا۔ مجسٹریٹ صاحب اس پر بیٹھ گئے۔ مگر سبحان اللہ! مجسٹریٹ صاحب تو پائینتی کی طرف بیٹھے۔ اور خاکسار سرہانے کی طرف۔ شرف الدین خاں کوتوال اس ظلم کے ڈر سے پاس کی مسجد میں جا لیٹے۔ مجسٹریٹ صاحب کچھ لکھتے رہے۔ میں نہیں جانتا کیا لکھا۔ کیونکہ مجھ کو پڑھ کر سنایا نہیں گیا۔ ساتھ سید احمد صاحب وکیل جو آجکل احمدی ہیں، مجسٹریٹ صاحب نے مستغیث کی طرف سے وکیل بنا لئے تھے۔ لکھ لکھا کر نائب کوتوال صاحب کی طرف اشارہ کیا کہ مولوی صاحب کا انگوٹھا لگوا لو۔ اُس نے میرے بائیں ہاتھ کا انگوٹھا پکڑ کر سیاہی لگا کر اس لکھے ہوئے پر لگا لیا۔ اور مجسٹریٹ صاحب کہنے لگے۔ ذوالفقار علی خان صاحب سے اب کہو کہ جس قدر زور لگانا ہو لگالیویں۔ میں نے کہا۔

انما اشکو ابثی وحزنی الی الله

میں اپنا معاملہ خدا کے سپرد کرتا ہوں ۔ غالباً میرے گناہوں کی سزا مجھ کو مل گئی ہے ۔ وہ اب بھی معاف کرے ۔ اس پر ایک تانگے کا حکم دیا گیا ۔ اور کہا کہ مولوی صاحب کو پکڑ کر اس میں بٹھا کر اسٹیشن پر پہنچا دو ۔ میں نے کہا مجھ کو اجازت ہو کہ میں اپنے گھر کے لوگوں کو کچھ وصیت کرلوں ۔ اس پر مجسٹریٹ صاحب کہنے لگے ۔ نواب صاحب کا یہ حکم تو نہیں ۔ مگر میں اپنی طرف سے کہتا ہوں کہ تم ان سے بات کرلو ۔ میں نے بیوی سے کہا ۔ لو میں اب جاتا ہوں ۔ میری بیوی کہنے لگی ۔ میں بھی چلتی ہوں ۔ میں یہاں نہیں ٹھہروں گی ۔ میں نے کہا ۔ نہیں تمہارے بھائی ہیں ۔ ان کے پاس چلی جاؤ ۔ کہنے لگی نہیں میں تمہارے ساتھ جاؤنگی ۔ میں نے مجسٹریٹ صاحب سے کہا کہ پھر اجازت ہو تو سامان باندھ لیں ۔ کہنے لگے آپ اندر نہیں جاسکتے ۔ میں نے بیوی سے کہا ۔ سامان چھوڑ دو ۔ کتابوں کا گٹھڑ باندھ لو ۔ اس نے عجلت میں جو کتابیں ہاتھ آئیں باندھ لیں ۔ باقی کتابیں اکثر رہ گئیں ۔ میں نے کہا بستر وغیرہ چھوڑ دو صرف کتابوں کو لے کر باہر آجاؤ ۔ چنانچہ ہم چار آدمی دو لڑکے اور میری بیوی تانگے پر سوار کئے گئے ۔ اور دو پولیس مین ہمارے ساتھ کر دئے گئے ۔ ایک آگے اور ایک پیچھے اور تاکید کی گئی کہ راستے میں کسی جگہ اترنے نہ پائیں ۔ راستے میں صدن خان کا مکان تھا ۔ جہاں میری دوسری بیوی اور شیر خوار بچہ تھا ۔ میں نے چاہا کہ ان سے مل لوں ۔ اور ان کو کچھ کہہ لوں مگر ان دونوں پولیس مینوں نے اجازت نہ دی ۔ ناچار مدرسے کے محاذ میں تانگہ کھڑا کرا کر صدن خان کو آواز دی ۔ وہ باہر آیا ۔ اور تانگے کے پاس کھڑا ہو کر کہنے لگا ۔ ہم تو رات بھر نہیں سوئے ۔ کیونکہ پولیس نے بار بار آکر ہم کو کریدا تھا ۔ کہ مولوی عبیداللہ کہاں ہے؟ اب اس خیال میں تھے کہ تمہارے پاس پہنچیں ۔ میں نے کہا ۔ میں خود آ گیا ہوں ۔ اور میں اب مجبوراً جاتا ہوں ۔

کہنے لگے کہ میری بھانجی کا کیا ہوگا۔ میں نے کہا اگر وہ آتی ہیں تو بچے کو لے کر آ جائیں۔ کہنے لگے یہ نہیں ہوسکتا۔ اگر تم مسلمان ہوتو میری بھانجی کو طلاق دیدو۔ اگر طلاق نہ بھی دوتو تم چونکہ غیر مذہب والے ثابت ہو چکے ہو۔ اس لئے نکاح کہاں۔ میں نے کہا۔ جیسی تمہاری خوشی۔ السلام علیکم۔ ٹانگے والے نے کہا۔ میں زیادہ نہیں ٹھہر سکتا۔ وہاں سے ڈیڑھ میل کے فاصلہ پر اسٹیشن تھا۔ مجھ کو پہنچایا گیا۔ تانگے والے نے کرایہ طلب کیا۔ میرے پاس اس وقت کچھ بھی نہیں تھا۔ آٹھ آنے کی چادر گاڑھے کی جس میں کتابیں بندھی ہوئی تھیں۔ اس کو دے کر ہاتھ جوڑے کہ میرے پاس کچھ نہیں معاف کرو۔ بدقت تمام اس کو پیچھے سے اتارا کہ اتنے میں رات کے چار بج گئے۔ اور مراد آباد سے ریل آ گئی۔ اس میں سے ایک شخص جو میرا اور قاسم علی خاں کا واقف تھا۔ اترا اور حیرت زدہ ہوکر میرا حال پوچھنے لگا۔ میں نے اُن سے کہا کہ راستہ میں قاسم علی خاں کا مکان پڑتا ہے۔ مہربانی کر کے اُن کو کہتے جانا۔ کہ صبح آٹھ بجے سے پہلے جو گاڑی مراد آباد کو جانے والی ہے۔ مجھ سے ملیں۔ کیونکہ میرے پاس اس وقت کوئی کرایہ نہیں تھا۔ صبح کی نماز کے قریب قاسم علی خاں اور چندہ خاں میرے پاس پہنچ گئے۔ قاسم علی خاں نے پندرہ روپے اور چندہ خاں نے پانچ روپے اس وقت مجھ کو دیئے۔ اتنے میں ذوالفقار علی خاں صاحب کا آدمی میرے پاس پہنچا۔ اُس نے مجھ کو بیس روپے دیئے۔ اور ریل پر سوار کرایا۔ قاسم علی خاں اس وقت تک جب تک میں چلوں، اسٹیشن پر ٹھہرے رہے۔ میں نے ٹکٹ دہلی کی لی۔ اور دہلی سے ٹونک کا ارادہ کیا۔ کیونکہ میری بیوی کی پھوپھی ٹونک میں تھی۔ اور اس کا خاوند نواب صاحب ٹونک کا میر منشی تھا۔ دہلی کے اسٹیشن پر شیخ احمد حسین خاں بی۔ اے ہیڈ ماسٹر مدرسہ رامپور مجھ سے ملے۔ آب دیدہ ہوکر کہنے لگے کہ میں تو اسی روز ہی سمجھا تھا کہ جس روز آپ کی نواب صاحب سے گفتگو ہوئی تھی۔ کہ آپ کا اب رامپور میں رہنا اچھا نہیں ہے۔

چونکہ دہلی میں تین چار گھنٹے ٹھہرنا تھا۔ میں میر قاسم علی صاحب سے ملنے گیا۔ میر قاسم علی خاں صاحب سے ملاقات ہوئی۔ تو میر صاحب فرمانے لگے۔ تم نے غلطی کی۔ ایجنٹ صاحب سے اپنا حال بیان کرنا تھا۔ میں نے کہا۔ میں نے عہد کر لیا ہے کہ سوائے خدا کے اپنا حال کسی کو نہیں کہونگا۔ یہ وہ وقت تھا کہ حضرت خلیفۃ المسیح اول رضی اللہ تعالیٰ عنہ وفات پا چکے تھے اور مولوی محمد علی صاحب قادیان چھوڑ کر لاہور جا رہے تھے۔ میں نے اس خیال سے کہ اس وقت سلسلہ عالیہ احمدیہ پر ایک سخت وقت آیا ہوا ہے۔ اپنا حال حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کی خدمت میں تحریر نہ کیا۔ دہلی سے ٹونک پہنچا۔ تو یہ عجیب بات دیکھی کہ وہاں بچے بچے کی زبان پر یہ میرا تمام ماجرہ چڑھا ہوا تھا۔ میں نے تعجب کیا کہ میرے آنے سے پیشتر ہی میرا واقعہ کس نے آ کر یہاں بیان کر دیا۔ وہاں چونکہ میرے والد صاحب حضرت امام علی شاہ صاحب سجادہ نشین رتر چھتر شریف کی طرف سے ایک دفعہ نواب وزیرالدولہ بہادر کے پاس مولوی محمد اعظم شاہ صاحب کی تعزیت پر تشریف لے گئے تھے۔ اس لئے مولوی محمد اعظم شاہ کی لڑکی ولائتی بیگم جو نواب صاحب کی سمنبدھن بھی تھی، ان کو جب یہ معلوم ہوا کہ میاں مظہر جمال کا لڑکا آیا ہے۔ تو انہوں نے میری بوجہ تعلقات قدیمانہ کے دعوت کی۔ اور فرمایا کہ نواب صاحب بوجہ عرق النساء سخت علیل ہیں۔ اور کسی سے ملتے نہیں ہیں۔ ان کی صحت یابی کے بعد میں آپ کو نواب صاحب کی خدمت میں پیش کروں گی۔ نواب صاحب کی بیوی ہاجرہ بیگم صاحبہ نے جب سنا کہ رتر چھتر والوں میں سے کوئی شخص یہاں آیا ہے۔ تو چونکہ وہ بھی مولوی محمد اعظم شاہ (جو حضرت امام علی شاہ کے خلیفہ تھے) کے مریدوں میں سے تھیں۔ تو انہوں نے کہا کہ کیا یہ وہی میاں مہتاب مظہر جمال کے بیٹے ہیں جو نواب وزیرالدولہ کے وقت میں آئے تھے۔ میں تو ان کے گودوں میں کھیلتی رہی تھی۔ انہوں نے ہم سب کا کھانا پینا اپنے ذمہ لے لیا۔ میں چار مہینے

تک اسی انتظار میں رہا کہ نواب صاحب تندرست ہو جائیں۔تو ان سے ملاقات حاصل ہو۔ کہ مجھے حضرت مولوی شیر علی صاحب کا خط مع تیس روپے منی آرڈر کے پہنچا۔ اور لکھا کہ حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ تعالیٰ نے یاد فرمایا ہے۔فوراً معہ اہل وعیال کے چلے آؤ۔ کیونکہ قاسم علی خان اور ذوالفقار علی خان صاحب اس اثناء میں قادیان آئے تھے۔ اور انہوں نے مفصل حال حضرت کے حضور بیان کیا تھا۔ میں حسب الارشاد قادیان آ گیا۔ حضرت مرزا بشیر احمد صاحب نے مجھ کو مدرسہ احمدیہ میں پڑھانے پر لگا لیا۔ اس اثناء میں میں نے سنا کہ منور خاں کی بیوی جو اس میرے معاملہ میں بہت کچھ حصہ لیتی تھی۔ طاعون سے مر گئی۔نظیر خاں کو دو سال کی قید ہوئی۔نظیر خاں کی بیوی پر ایک بیگم صاحبہ رامپور نے سرقے کا مقدمہ دائر کیا۔ اور اس کو دو سال کی قید ہوئی۔ وہ محمد نبی لڑکا جس نے میرا گھر بتایا تھا۔ اور اس کا بھائی ایک سرقہ کے مقدمہ میں ماخوذ ہو کر ملازمت سے برطرف اور تین سال کے لئے دونوں سزایاب ہو گئے۔ بعد دو سال کے قاسم علی خان نے ذکر کیا کہ محمد نبی مجسٹریٹ پر فالج گرا۔ اس نے یہ کہا تھا کہ اگر مرزا صاحب سچے ہیں تو ہم پر انگارے کیوں نہیں برستے۔غرض وہ نہایت ہی بری حالت میں مرا۔ اور اس کا خاندان تباہ ہو گیا۔ ہوم سیکریٹری پنجاب جو میری تخریب میں دلچسپی لیتا تھا،نواب صاحب کا اس پر عتاب ہوا۔ اور رامپور سے نکالا گیا۔ اس طرح خداوند تعالیٰ نے ان تمام لوگوں کو سخت ماخوذ کیا۔ میری بڑی لڑکی کا نواب صاحب نے بیٹے حیدر علی خاں کے بیٹے چھمن خاں سے نکاح کر دیا تھا۔ وہ ایک سال بھر زندہ رہ کر مر گئی۔ چھوٹی چیچک سے مر گئی۔ درمیانی چار سال کے بعد ہیضہ سے مری۔لیکن یہ دونوں ناکتخدا مریں۔لڑکا قادیان میں آیا۔ اس نے بہت خباثت پھیلائی۔بحکم حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ تعالیٰ یہاں سے نکال دیا گیا۔ آوارہ پھرتا رہا۔ اور آخر مراد آباد میں بعارضہ سِل ودق مر گیا۔ اس کا نام عنایت

اللہ تھا۔ یہ ان لڑکیوں اور لڑکے کا انجام ہوا۔
قدرت خدا ہے۔ کہ سید احمد صاحب وکیل میری اس رات کی تقریر سے جو میں نے محمد نبی خاں کے سامنے کی۔ اور اس استقلال کو دیکھ کر جو مجھ سے ظاہر ہوا۔ اور **انــمــا اشكــوا بثــى و حــزنــى الــى اللــه.** میں نے پڑھا اس قدر متاثر ہوئے کہ احمدی ہو گئے۔ اور اب تک سلسلہ کے ساتھ نہایت اخلاص سے وابستہ ہیں۔ فالحمدللہ علیٰ ذالک۔

☆ایک عبرت انگیز واقعہ:

جس زمانہ میں مَیں رامپور میں رجسٹرار تھا میرے سامنے ایک عجیب واقعہ پیش آیا۔ میں عبداللہ خان صاحب کے محلّہ میں ٹھہرا ہوا تھا۔ اور مجھے قریباً سال بھر ہو گیا تھا۔ کہ ایک دن عبداللہ خان کا ملازم میر حمائت علی مجھے کہنے لگا کہ آپ مکان خالی کر دیں۔ میں نے کہا دو مہینے کا کرایہ میری طرف ہے۔ وہ ادا کر کے چلا جاؤنگا۔ کہنے لگا کہ کرایہ پھر لے لیا جائیگا۔ مگر مکان خالی کر دو۔ کیونکہ ہمارے مہمان منجھلے خان صاحب کے لڑکے کی شادی پر آنے والے ہیں۔ میں نے دوسرے روز بیچے خانصاحب سے ذکر کیا۔ کہنے لگا میرا مکان خالی ہے۔ آجائیں۔ انہوں نے ایک عمدہ مکان میرے لئے خالی کر دیا۔ میں اٹھ کر وہاں چلا گیا۔ عبداللہ خان صاحب کے پوتے (منجھلے خانصاحب کے لڑکے) کی شادی تھی۔ خاکسار کو بھی دعوتی رقعہ ملا۔ میں بھی دعوت میں شریک ہوا۔ جرنیل عظیم الدین خاں مدار المہام ریاست رامپور بھی دعوت میں مدعو تھے۔ اور تمام عمائد اور اراکین اس میں شامل تھے۔ اور رمضان المبارک کی تیسری تاریخ تھی۔ قریب دس بجے رات کے جرنیل صاحب کھانا کھا کر ٹم ٹم پر سوار ہوئے۔ کیونکہ ان دنوں موٹر کا رواج ابھی نہیں ہوا تھا۔ عبداللہ خان کے مکان کے ساٹھ قدم پر ایک مہماں

☆: ۱۴ مارچ ۱۹۳۹ء

سرا ہے۔ جب اس کے محاذ میں پہنچے تو ہمارے کانوں میں بندوقوں کے چلنے کی آواز آئی۔ لوگوں نے خیال کیا کہ شائد برات کے لئے پٹاخے چھوٹے ہیں۔لیکن تھوڑی دیر کے بعد کانا پھوسی ہونے لگی۔اور لوگوں میں ہلچل پڑگئی۔معلوم ہوا کہ جرنیل صاحب کو گولی لگی ہے۔ جس طرف کہ جرنیل صاحب گئے تھے۔لوگ اس طرف دوڑ پڑے۔شارع عام پر دیکھا کہ حافظ مبارک علی خان کپتان فوج کے کپڑوں کو آگ لگی ہوئی ہے۔اور سر ان کا تلوار سے کٹا پڑا ہے۔ لوگ ان کی آگ بجھانے کی طرف مشغول ہوئے۔ میں نے دیکھ کر کہا۔ حافظ صاحب ایک نیک آدمی تھے۔خدا جانے کس ظالم نے اِن کو قتل کیا۔اس سے آگے چل کر دس قدم پر دیکھا۔کہ جرنیل صاحب کو لوگ چارپائی پر لٹا رہے ہیں۔اور ان کو گولی لگی ہوئی ہے۔ تمام شہر میں کہرام مچ گیا کہ جرنیل صاحب مارے گئے ہیں۔دھوم دھام سے ان کی نعش اٹھائی گئی۔اور دفن کئے گئے۔لیکن قاتلوں کا سراغ نہ ملا۔ بعد چند روز کے سنا کہ عبداللہ خانصاحب اور ان کے بیٹے منجھلے خاں اور سعداللہ خاں اور اسداللہ خاں اور غزل خاں اور میر حمایت علی وغیرہ کو قاتل قرار دے کر مقدمہ چلا گیا ہے۔لیکن بوجہ عدم ثبوت وہ رہا ہو گئے۔اور بجائے مدارالمہام صاحب کے کرنل ون سنٹ صاحب کونسل آف ریجنسی کے پریذیڈنٹ مقرر ہوئے۔تین مہینے ہوئے تھے کہ انہوں نے رامپور کے جیل کا معائنہ کیا۔دیکھا کہ قیدی سفید پوشاکیں پہنے ہوئے خوش باشانہ زندگی بسر کر رہے ہیں۔ون سنٹ صاحب نے کہا کیا یہ جیلخانہ ہے۔یا بہشت ہے۔ان کو قیدیوں کی وردی پہنانی چاہئیے۔وردیاں بنائی گئیں۔اور مٹی میں رنگ کر پھیلائی گئیں۔قیدی اس وردی کو دیکھ کر نہایت درہم برہم ہوئے۔کہنے لگے ہم یہ نہیں پہنیں گے۔جیلر نے ہر چند سمجھایا۔مگر وہ نہ مانے۔دوسرے دن ون سنٹ صاحب جب جیل میں پہنچے۔تو انہوں نے جیلر سے کہا کہ وردی کیوں نہیں پہنائی گئیں۔جیلر نے کہا۔

کہ قیدی وردی پہننے سے انکار کرتے ہیں۔جیل اس وقت میرے گھر سے تین گھر کے فاصلہ پر تھی۔ ون سنٹ صاحب نے دو چار قیدیوں کو جو سرغنہ تھے بلا کر کہا کہ تم وردی کیوں نہیں پہنتے۔انہوں نے کہا کہ ہم مشورہ کر کے جواب دیں گے۔ ون سنٹ صاحب نے کہا۔تم کو مشورے کی کوئی ضرورت نہیں۔ میرے سامنے پہنو۔ وہ بھاگ کر بارک کی طرف جانے لگے۔ ون سنٹ صاحب نے اپنے اردل کے دو سپاہیوں کو کہا کہ ان کو پکڑ کر لے آؤ۔ قیدی ان سے گتھم گتھا ہو گئے۔ ڈانگ سوٹا جو کچھ ہاتھ آیا۔اس سے مارنے لگے۔ دونوں اردلی بے ہوش ہو گئے۔ ون سنٹ صاحب کی ٹوپی پر بھی چھڑیاں پڑیں۔ٹوپی گر گئی۔ میں اس وقت جیل کے دروازے پر عبدالرحیم خان جیلر کے بیٹے سے باتیں کر رہا تھا کہ عبدالرحیم خاں جیلر ون سنٹ صاحب کو کھینچ کر باہر لایا۔اور وہ دونوں اردلی جو بے ہوش تھے ان کو بھی کشاں کشاں باہر لائے۔اور گاڑی پر سوار کیا۔ون سنٹ صاحب نے اپنی کوٹھی پر پہنچ کر فوج کو حکم دیا کہ جیل خانے کا محاصرہ کرلو۔اور خود بیٹھ کر تار دیا۔لیفٹیننٹ گورنر ممالک مغربی شمالی اس وقت کالون صاحب بہادر تھے۔ان کے حکم کے حصول تک کوٹھی پر ٹھہرے رہے۔ جب حکم حاصل ہو گیا تو اکرام اللہ خانصاحب جوڈیشنل ممبر اور ڈپٹی علی حسین صاحب ممبر مال کو لے کر جیل میں پہنچے۔فوج کا محاصرہ تو تھا ہی جیل کی چھت پر چڑھ کر گولی چلا دی۔ اور ایک آدمی جو اردلی کا طمنچہ چھین کر ناچ رہا تھا۔اس کو نشانہ بنایا۔اور فوج کو جیلخانے میں داخل ہونے کا حکم دے دیا۔تمام قیدیوں کو ہتھکڑیاں پہنائی گئیں۔اور رسی باندھ کر دو دو قیدیوں کو باندھ دیا گیا۔ میں عبدالرحیم کے لڑکے کے ساتھ جیل کے اندر چلا گیا۔اور ہسپتال کے گوشے سے نظارہ دیکھنے لگا۔ تین آدمی ان میں سے نکال کر چکر کی سڑک پر کھڑے کئے گئے۔اور چھ گورگھوں کو ان کے مقابل پر کھڑا کر کے گورگھوں کو گن فائر کا حکم دے دیا گیا۔ وہ تینوں قیدی زمین پر گر گئے۔بس

تمام جیل خانے میں کیا۔ اور دیکھنے والوں میں کیا۔ تھرتھری پیدا ہوگئی۔ ڈپٹی علی حسین صاحب میرے قریب کھڑے تھے۔ ان کو غش آ گیا۔ میں نے اور عبدالرحیم خانصاحب کے لڑکے نے ان کو سنبھالا، ڈپٹی علی حسین صاحب کا داہنا ہاتھ میرے کندھے پر تھا۔ ڈاکٹر صاحب نے فوراً کوئی دوا لاکر پلائی۔ جس سے ان کو افاقہ ہوا۔ ون سنٹ صاحب نے یہ سزا دے کر جیلخانے کو بند کرنے کا حکم دیا۔ اور ان تینوں آدمیوں کو چکر سے گھسیٹ کر دفنانے کا حکم ہوا۔ ان کی لاشیں زمین پر گھسیٹی گئیں۔ اور باہر جا کر لوگوں نے دفن کیا۔ اس رات رامپور کے لوگوں میں غالبًا کسی کے گھر آگ نہیں جلائی گئی۔ بعد اس کے تمام قیدیوں کی سزائیں بڑھا دی گئیں۔ ون سنٹ صاحب نے بعد ازاں لیفٹیننٹ گورنر صاحب کی خدمت میں لکھا کہ جرنیل عظیم الدین خاں کے مقدمہ کی کارروائی بے ضابطہ ہوئی ہے۔ کیونکہ حد ریاست سے باہر تحقیقات کی گئی ہے۔ اس واسطے اس تحقیقات کو کالعدم قرار دیا جائے۔ اور حدود ریاست میں از سر نو تحقیقات ہونی چاہئیے۔ وہاں سے حکم ہوگیا کہ ہاں ٹھیک ہے۔ حدود ریاست میں تحقیقات ہونی چاہئیے۔ یہ سن کر عبداللہ خان نے غالبًا خودکشی کرلی۔ کیونکہ اسی روز فوت ہوگئے۔ منجھلے خاں ان کے بیٹے اور سعد اللہ خاں اور تیسرے حاجی مجتبیٰ خاں تینوں مفرور ہوگئے۔ اور کابل پہنچ گئے۔ دو سال تک کابل میں رہے۔ ان کے بعد مقدمہ کی تحقیقات ہوئی۔ میر حمایت علی اور ایک شخص غالبًا غزل خاں کو پھانسی ہوئی۔ جمال الدین خان تیسرا شخص تھا۔ راجپوتانہ سے گرفتار ہوکر آیا۔ اس کو بھی پھانسی ہوئی۔ منجھلے خاں اور سعد اللہ خاں کو امیر عبدالرحمان والئے کابل نے کابل سے بوجہ کسی امر کے نکال دیا۔ سعد اللہ خاں لاہور میں گرفتار ہوگیا۔ منجھلے خاں مراد آباد میں، حاجی مجتبیٰ خاں روپوش رہا۔ سعد اللہ خاں کو پھانسی ہوئی۔ منجھلے خاں کو حبس دوام۔ اس کے بعد عبداللہ خاں کے مملوک کو ضبط بحق سرکار قرار دے کر اینٹ کے ساتھ اینٹ بھر دی گئی۔ اور

اس جگہ ہائی سکول بنایا گیا۔ وہ نظارہ نہایت ہی عبرتناک تھا۔ جس وقت عبداللہ خاں کی بیویاں۔لڑکیاں بچے اور بہوئیں۔اس محلّہ میں سے نکالی گئیں۔ان کو دیکھ کر ایک عالم تھا کہ اس کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے۔

☆مختلف پیروں،سجادہ نشینوں،فقیروں اور عاملوں سے ملاقاتیں:

حضرت امام علی شاہ صاحب کا بیعت لینے سے انکار:

مجھے یاد ہے میری عمر ابھی کوئی سات آٹھ سال کی تھی۔ کہ میں نے حضرت پیر امام علی شاہ صاحب کو ایک دفعہ وضو کرایا۔ جس پر آپ نے مجھے دعائے خیر عطا کی۔ دس برس کی عمر تھی کہ میری والدہ صاحبہ نے پیر امام علی شاہ صاحب کی خدمت میں عرض کیا۔ کہ اس کو بیعت میں لے لیا جائے۔ فرمایا نہیں یہ میری بیعت توڑ دے گا۔ میری والدہ رو پڑیں۔ کہنے لگے نہیں میری ہی نہیں اور لوگوں کی بھی بیعت توڑے گا۔ بوڑھا ہو کر بیعت کریگا تو شائد نہیں توڑیگا۔ جوانی میں تو کسی کے قابو آنے والا نہیں۔ میری والدہ نے عرض کیا۔ میں ایمان کی سلامتی چاہتی ہوں اسی واسطے بیعت کے متعلق عرض کرتی ہوں۔ فرمایا۔ میں دعا کرونگا۔ اللہ تعالیٰ اس کو اسلام کی محبت عطا کرے۔ اور شرک اور کفر سے بچائے۔

والد ماجد کا جواب:

میری کوئی گیارہ سال کی عمر تھی کہ حضرت امام علی شاہ صاحب انتقال فرما گئے۔ میری والدہ نے میرے والد صاحب سے کہا کہ آپ ان کو اپنی بیعت میں داخل کریں۔ والد صاحب نے فرمایا۔ حضرت صاحب نے جو کچھ اس کے حق میں فرمایا تھا۔ تمہیں یاد ہے۔ میں

☆: ۲۸ مارچ ۱۹۳۹ء

اپنی بیعت میں اس کو داخل نہیں کرتا۔ ڈرتا ہوں کہ کہیں میرا عاق نہ ہو جائے۔ لیکن میری والدہ نے نہ مانا۔ اور مجھے حضرت صاحبزادہ پیر صادق علی شاہ صاحب (ابن پیر امام علی شاہ صاحب) کی خدمت میں پیش کیا۔

پیر صادق علی شاہ صاحب کی بیعت:

حضرت صاحبزادہ صاحب نے مجھے اپنی بیعت میں داخل کیا۔ اور بعد توبہ واستغفار میرے دونوں انگوٹھے دہنا داہنے والے ہاتھ میں اور بایاں بائیں ہاتھ میں لے کر ایک گھنٹہ تک خاص توجہ فرماتے رہے۔ میں حضرت امام علی شاہ صاحب کے حلقہ میں اکثر بیٹھا کرتا تھا۔ اور دیکھتا تھا کہ جس کو آپ توجہ دیتے تھے وہ مرغ بسمل کی طرح تڑپنے لگ جاتا تھا۔ لیکن میرے دل پر صاحبزادہ صاحب کی توجہ کی کوئی کیفیت طاری نہ ہوئی۔ جس کو میں نے اپنی قساوت قلبی پر محمول کیا۔ مہینہ بھر تک حضرت کی توجہ میں جو شام کے وقت وہ دیا کرتے تھے میں بیٹھتا۔ بعض کو کچھ اثر بھی ہوتا۔ لیکن مجھ پر کوئی اثر نہ ہوا۔ صاحبزادہ صاحب نے مجھکو تلقین کی کہ ہر نماز کے بعد ایک سوایک دفعہ یہ درود پڑھا کرو۔

وصل اللہ علی حبیبک محمد والہٖ وسلم ۔ اور بعد مغرب ایک گھنٹہ مراقبہ کر کے بیٹھا کرو۔ تمہیں خود کیفیت پیدا ہو جائے گی۔ لیکن نہ میں نے مراقبہ کیا۔ اور نہ مجھ میں کیفیت پیدا ہوئی۔

میاں امیر الدین صاحب کی بیعت:

میرے خسر میاں امیر الدین صاحب (پہلی بیوی کے والد) چونکہ حضرت امام علی شاہ صاحب کے مجاز خلیفہ تھے۔ اس لئے اس کے بعد انہوں نے مجھ کو اپنی بیعت میں لے کر توجہ شروع کی۔ اور چند دن تک مجاہدہ فرماتے رہے۔ لیکن ان کی توجہ سے بھی میرے دل پر کوئی اثر

ظاہر نہ ہوا۔ آخر اکتا کر انہوں نے بھی توجہ چھوڑ دی۔ اور فرمایا اس کا دل بہت سخت ہے۔

مولوی عبدالحکیم صاحب دھرم کوٹی سے گفتگو:

ایک روز مولوی عبدالحکیم صاحب دھرم کوٹی سے جو کسی قدر توہب کی طرف مائل تھے میں نے در کیا۔ کہ رتر چھتر مکان شریف میں میں حضرت امام علی شاہ صاحب کے زمانہ میں دیکھا کرتا تھا۔ کہ آپ کی توجہ سے صد ہا باوقار شخص وجد کی حالت میں مرغ بسمل کی طرح تڑپتے تھے۔ لیکن اب وہ حالت نہیں پائی جاتی۔ مولوی عبدالحکیم صاحب فرمانے لگے۔ جس قدر مجاہدہ اس بارہ میں میاں امام علی شاہ صاحب نے اٹھایا تھا۔ اس کا عشرِ عشیر بھی کسی نے یہاں نہیں اٹھایا۔ اس واسطے وہ تاثیر نہیں ہوتی۔ یہ تمہارے دل کی سختی وغیرہ کی بات نہیں۔ میرے نزدیک وہ برکت اس خاندان سے اُٹھ گئی ہے۔ اور برائے نام پیرزادگی رہ گئی ہے۔ تم اس خیال میں مت پڑو۔ تم یہ تو بتاؤ کہ تمہارے دل میں قرآن وحدیث اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت ہے یا نہیں۔ میں نے عرض کیا۔ مولوی صاحب میں اپنے دل میں بے حد عظمت پاتا ہوں۔ فرمانے لگے بس یہی ایمان کی نشانی ہے وجد اور حال اسلام کی شرط نہیں ہے۔ اتباع سنت مومن بننے کے لئے کافی ہے۔ میں نے کہا آخر یہ نظارہ جو میں نے دیکھا ہے اس کا وجود کیا ہے۔ اور اب کیوں نہیں۔ کہنے لگے اس کی تلاش کرنا بے سود ہے۔ اگر تمہیں شوق ہے تو کسی اور سلسلہ میں جا کر دیکھ لو۔

سید رحیم شاہ صاحب کی بیعت:

بعد چند روز کے کشمیر سے ایک بزرگ آئے۔ ان کا نام سید رحیم شاہ صاحب تھا۔ اور وہ قادری سلسلہ میں بیعت لیتے تھے۔ میں بوساطت پیر عظیم شاہ صاحب قادری امرتسری ان کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے ذکر جہر کی تلقین کی۔ اور فرمایا رات کو تہجد کے بعد بڑی

اونچی آواز سے لا الہ الا اللہ اس زور سے پڑھا کرو۔ کہ مکان گونج اُٹھے۔ اور الا اللہ کی ضرب قلب پر لگاؤ۔ اس وردِ مکرم کی برکت سے تمہارا قلب جاری ہوجائیگا۔ جوانی اور جوانی کی نیند تہجد کے لئے کہاں اٹھنے دیتی تھی۔ لیکن میں ان کے کہنے کے مطابق کسمسا کر اٹھ ہی بیٹھتا تھا۔ اور اپنے بالا خانہ پر گرمیوں کے دن میں اس زور شور سے یہ ذکر جہر کیا کرتا تھا۔ کہ نہ صرف گھر والوں کی بلکہ پڑوسیوں کی نیند بھی اچاٹ ہوجاتی۔ لیکن چونکہ ذکر خیر تھا۔ اس لئے کوئی شخص میرا مزاحم نہیں ہوتا تھا۔

ذکر جہر کی بجائے ذکر خفی کی تلقین:

ایک شب حضرت مولوی محمد حسن شاہ صاحب شعری قادری میرے استاد تشریف لائے۔ انہوں نے رات کو میری یہ حالت دیکھی تو صبح کو بعد نماز ارشاد فرمایا۔ ذکر خفی کرنا بہتر ہے۔ اس زور شور سے ذکر کرنے سے تمہارے دل ودماغ پر برا اثر پڑے گا۔ اور لوگوں کی نیند میں خلل بھی ہوتا ہے۔ یہ ٹھیک نہیں۔ اگر ذکر جہر کرنا ہو تو شہر سے باہر کسی میدان میں جا کر کیا کرو۔ تا کہ لوگوں کے آرام میں خلل نہ پڑے۔ مگر تم بیکار ہو جاؤ گے اور تمہارے دل ودماغ کو صدمہ پہنچے گا۔ ذکر جہر سے بہتر ذکر خفی ہے۔

واذ کر ربک فی نفسک تضرعاً وخیفة دون الجهر من القول بالغدو والاصال. میں تم کو ذکر خفی کا طریقہ بتاتا ہوں۔ جو حضرت شیخ احمد صاحب طار بلی کشمیری سے مجھ کو حاصل ہوا ہے۔ وہ شروع کرو۔ وہ اس سے جلد منزل مقصود تک تمہیں پہنچا دیگا۔ میں نے جا کر اپنی والدہ ماجدہ سے ذکر کیا۔ کہ مولوی صاحب مجھ کو ذکر جہر سے منع کرتے ہیں۔ وہ فرمانے لگیں۔ مولوی غلام علی صاحب قصوری کی خدمت میں جا کر عرض کرو۔ کیونکہ وہ اس وقت سارے شہر میں قرآن وحدیث کے زیادہ ماہر ہیں۔

مولوی غلام علی صاحب قصوری کی خدمت میں:

میں حضرت مولوی غلام علی صاحب قصوری کی خدمت میں گیا۔ اور تمام ماجرا بیان کیا۔ مولوی صاحب ہنس کر فرمانے لگے۔ دونوں طریق خلاف سنت ہیں۔ نماز پڑھو۔ روزے رکھو۔ حدیث پڑھو۔ قرآن کا صحیح ترجمہ آ کر سنا کرو ولی بننے کا فکر چھوڑ دو۔ سیدھے سادھے مسلمان اور مومن بنو۔ اور دنیا کا کاروبار کرو۔

لیکن مولوی صاحب کے فرمانے کا میرے دل پر کچھ اثر نہ ہوا۔ میں نے حضرت مولوی ابومحمد حسن شعری اپنے استاد صاحب کی خدمت میں حاضر ہوکر یہ ذکر تو نہ کیا۔ کہ مولوی غلام علی صاحب قصوری نے ایسا ارشاد فرمایا ہے۔ کیونکہ وہ تو ہب کے سخت دشمن اور مولوی غلام علی صاحب کو برا جانتے تھے۔ اور زود رنج طبیعت کے تھے۔ البتہ عرض کیا۔ کہ مجھے ذکر خفی تلقین فرمایا جائے۔ انہوں نے فرمایا بعد نماز مغرب میرے پاس آنا۔ میں تم کو اس کا طریقہ بتادوں گا۔ میں کچھ مٹھائی لے کر مغرب کی نماز کے وقت حاضر ہوا۔ نماز مغرب ان کی اقتداء میں پڑھی۔ اور مٹھائی پیش کی فرمانے لگے خدا تیری مراد پوری کرے۔

ذکر خفی کا طریق:

پھر تنہائی میں مجھے چار زانو سیدھا بٹھا کر ذکر خفی کا یہ طریق ارشاد ہوا۔ لا الہ الا اللہ میں لا کو قلب سے کھینچو۔ اور اس قدر بڑھاؤ کہ الا اللہ کی ضرب دماغ میں لگے۔ اور سانس چھوڑ دو۔ پھر دوسری دفعہ لا الہ دماغ میں کہو اور الا اللہ کی ضرب قلب پر لگاؤ۔

تپ دق کی علامات:

چونکہ اس میں حبس نفس کیا جاتا تھا۔ میں نے چند روز ایسا کرنا شروع کیا تو میری آنکھیں سرخ ہونے لگیں۔ اور بدن میں ایک حرارت پیدا ہوگئی۔ جیسے کہ تپ کی حالت ہوتی

ہے۔لیکن مجھ کوتپ معلوم نہیں ہوتا تھا۔حکیم حسام الدین صاحب کے پاس ایک دن ملنے کو گیا۔ کیونکہ میری بیوی کو سخت پیچش ہوگئی تھی۔حکیم صاحب نے سفوف مقلیانا اپنے ڈبہ میں سے نکال کراور پڑیہ میں باندھ کرمقدار بنا کر میرے ہاتھ پر رکھا۔اتفاقاً حکیم صاحب کا ہاتھ میرے ہاتھ سے لگ گیا۔فرمانے لگے۔تجھے تو سخت تپ ہوگیا ہے۔نبض دکھلا۔میں نے نبض دکھلائی تو فرمایا قریب کہ تجھے دق ہوجائے۔ابھی سے علاج شروع کرو۔اور پرہیز کرو۔یہ حالت تمہاری کب سے ہے۔میں نے تمام قصہ مولوی حسن صاحب کا بیان کیا۔حکیم حسام الدین صاحب فرمانے لگے۔اتنا شوق ہے۔تو درود شریف ہرنماز کے بعد پڑھ لیا کرو۔ذکر خفی اور ذکر جہر سب چھوڑ دو۔انسان کی صحت پر ایسے ذکر اچھا اثر نہیں رکھتے۔دیکھو میاں مظہر جمال یہاں ہوتے تو تم کو ایسے کاموں سے باز رکھتے۔انہوں نے ایسے کام خود چھوڑ دیئے ہیں۔(میرے والد ان دنوں مکہ معظّمہ گئے ہوئے تھے)حکیم صاحب فرمانے لگے۔مجھے اندیشہ ہے کہ تیرے قلب میں حرارت پیدا ہوکر تمام جسم میں نہ پھیل جائے۔اوراس وقت پھر علاج کرنا مشکل ہوجائے گا۔تو ماءالشعیر اور ماءالرائب(لسی کا پانی)پیا کر۔

حکیم صاحب کی ہجو:

میں نے آ کر مولوی حسن صاحب سے ذکر کیا۔کہیں مولوی صاحب کو ابتداء سے ہی حکیم حسام الدین صاحب کے ساتھ کسی بات پر شکر رنجی ہوچکی تھی۔آپ نے حکیم صاحب کی ہجو میں فوراً یہ دو شعر کہے۔

حسام آنکہ از پاکی جوہرش — دوا شد غذا و غذا شد دوا

بعلم طب از نسخہ ہائے قدیم — اشارات دارد نہ دارد شفاء

خبیث تو ان کے پاس کیوں گیا تھا۔وہ تو شیعہ تفضیلی ہے۔بظاہر تقیہ کئے ہوئے ہے۔اسی

واسطےکل علی جومنشی صاحب نے کہا تھا۔کہ میاں مظہر جمال کا بیٹا بھی تفضیلی ہوگیا ہے۔تو مردود ہے۔ پاگل ہے۔ دیوانہ ہے۔تو چلا جا میرے پاس سے۔اور ناراض ہوگئے۔ میں نے اس دن سے ذکر خفی بھی چھوڑ دیا۔چھوڑنے کے بعد ہی مجھے محسوس ہوا۔کہ نفس الامر میں مجھے تپ شروع ہے۔چند روز تک حکیم صاحب کے فرمانے کے مطابق سفوفِ سرطان۔اور ماءالرائب پیتا رہا۔کوئی دو ہفتے کے بعد تپ جاتا رہا۔لیکن طبیعت نہایت مضمحل ہوگئی۔ میں نے حکیم صاحب سے جب اپنا حال پھر کر ظاہر کیا۔تو فرمانے لگے۔

خیالاتِ نادانِ خلوت نشین ۔۔۔ بہم برزند آسمان وزمین

مولوی صاحب شاعر تو تھے ہی۔لیکن اب صوفیا میں بھی پاؤں دھرنے لگ گئے ہیں۔خیر چند دن کے بعد میرے والد صاحب حج بیت اللہ سے واپس آئے۔مولوی حسن شاہ صاحب نے ان کی تاریخ کہی۔

ازخرم مظہر جمال آمد ۔۔۔ بادل شادو خاطر آگاہ

گفت بہرورودِاوشعری ۔۔۔ ابدأمظہرأجمالِ الٰہہ

ذکر جہراور ذکر خفی کی نسبت والد ماجد سے سوال:

ایک روز میں نے ذکر جہراور ذکر خفی کی نسبت والد صاحب سے عرض کیا۔فرمانے لگے میں نے بہت کچھ کیا ہے۔لیکن حضرت پیرامام علی شاہ صاحب نے صرف توجہ سے میری عقدہ کشائی کی تھی۔مگر میں تجھ میں نہ وہ طاقت پاتا ہوں نہ شوق۔اس واسطے سیدھا سادے مسلمان بنے رہو۔مولوی غلام علی صاحب نے ٹھیک فرمایا تھا۔اور میں تجھے نصیحت کرتا ہوں کہ مسند بچھا کر بیٹھنا۔اور گھٹنوں کو ہاتھ لگوانا۔اور نذر نیاز لینا۔اور تعویذ گنڈے دینا۔یہ سب ایسے امور ہیں کہ قیامت کے دن اس کی نسبت باز پرس ہوگی۔ میں نے انہی خیالات سے یہ

سب بدعات ترک کردی ہیں۔ میں نے عرض کیا کہ آپ کا خیال کس طرح اس طرف مائل ہوا۔ فرمانے لگے میں اور مولوی محمد حسین بٹالوی کے بھائی محمد علی دونوں حج کے سفر میں ہمراہ تھے۔ محمد علی کے سمجھانے سے میرا دل اس طرف سے بہت ہٹ گیا۔ انسان کو اپنی نجات کے لئے کوشش کرنی چاہئیے۔ اور اس کے لئے اتباع سنت کی ضرورت ہے۔ بے شک تزکیہ نفس اور تصفیہ باطن بہت عمدہ چیز ہے۔ مگر اس کے لئے قرآن کریم کا پڑھنا۔ اور حدیث کا پڑھنا اور سنت نبوی پر عمل کرنا اور سیرت صحابہؓ پر چلنا ہی مفید ہے۔

محال است سعدی کہ راہ صفا تواں رفت جز در پئے مصطفٰے

کسانیکہ زیں راہ برگشتہ اند برفتند بسیار و سرگشتہ اند

تم مولوی غلام علی صاحب کی خدمت میں جا کر صبح کی نماز پڑھا کرو۔ وہاں درس قرآن ہوتا ہے وہ سنا کرو۔ چنانچہ میں اکثر اپنے والد صاحب کی حیات میں حضرت مولوی غلام علی صاحب قصوری کی خدمت میں حاضر ہوتا رہتا تھا۔

نیچریت کی طرف میلان:

انہی دنوں سرسید کا اخبار تہذیب الاخلاق (علی گڑھ) دیکھنے میں آیا۔ اور مجھ کو اس کے پڑھنے سے ایک لذت حاصل ہوئی۔ اس میں اکثر مضامین متعلق دینیات نکلا کرتے تھے۔ میں شہر کے رئیس اعظم حاجی غلام حسن صاحب کے پاس اس غرض سے آنے جانے لگ گیا۔ کہ تہذیب الاخلاق کے پرچے وہاں سے حاصل ہوا کرتے تھے۔ اور دیکھنے میں آتے تھے۔ ان کے پڑھنے کے نتیجہ میں طبیعت نیچری فرقہ کی طرف مائل ہوگئی۔ میرے ہم زلف منشی مہدی خانصاحب وزیر ریاست بہاولپور ان دنوں امرت سر میں ابھی بعہدہ تحصیلداری تشریف رکھتے تھے۔ اور آپ حضرت اللہ بخش صاحب تونسوی خلیفہ حضرت شاہ سلیمان

صاحب چشتی کے مرید تھے۔اور بڑے پیر پرست تھے۔میری پہلی بیوی کا انتقال ہو چکا تھا۔ کہ حضرت امیر یحیٰی پیر صاحب مخدومی کی بیٹی سے نکاح ہو گیا۔ چنانچہ منشی مہدی خانصاحب سے بوجہ قرابت راہ ورسم پیدا ہو گئی۔

''قطب الاقطاب'' کی زیارت اور بیعت:

مجھے کہنے لگے کہ تم نے اولیاء اللہ کو دیکھا نہیں؟ حضرت امام علی شاہ صاحب کو دیکھا تھا۔تو اس وقت تم بہت چھوٹے تھے۔ چلو میں تم کو قطب الاقطاب اور اولیاء اللہ کا آفتاب دکھاتا ہوں۔تونسہ شریف مجھ کو ہمراہ لے گئے۔حضرت اللہ بخش صاحب تونسوی کی میں نے زیارت کی۔فقیرانہ حالت، ریش سفید اور ایک بابرکت انسان مجھے نظر آئے۔اور میں نے دیکھا کہ ان کی خدمت میں قوالی بہت ہوتی ہے۔ چونکہ میں اس کیفیت کے حاصل کرنے کا پہلے ہی سے گرویدہ تھا۔میں نے بوساطت منشی مہدی خانصاحب ان کی بیعت کا شرف حاصل کیا۔اور چندروز تک خوب قوالی سنتا رہا۔میں دیکھتا تھا۔کہ لوگ قوالی کی محفل جب گرم ہو جاتی تو نہایت وجد کی حالت میں کھڑے ہو جاتے ہیں۔اور گرتے پڑتے ہیں۔لیکن میرے دل پر وہاں بھی کچھ اثر نہ ہوا۔ایک مہینہ دن رہ کر جیسا گیا تھا۔ویسا واپس آ گیا۔البتہ قوالی سننے کا بڑا شوق ہو گیا۔کسی قدر بلھے شاہ کی کافیاں سنتا تو دل کو بھلی معلوم ہوتیں۔

پیر مہر علی شاہ صاحب گولڑوی سے ملاقات:

مجھ کو منشی مہدی علی خان ایک روز کہنے لگے۔ کہ تجھ کو بوجہ العلم حجاب الاکبر کچھ گھمنڈ پیدا ہو گیا ہے۔اس وجہ سے صوفیوں کی صحبت سے اثر نہیں ہوتا۔ پیر مہر علی شاہ صاحب گولڑوی چونکہ معقول و منقول کے عالم ہیں، وہ تیرے اس خیال کو تیرے دل سے نکال دیں گے۔تو شیخ احمد دین کے ساتھ گولڑہ شریف چلا جا۔ میں نے کہا بہت بہتر میں زیارت حاصل کر آؤں۔

میں ان کے ساتھ گولڑے شریف پہنچا۔ پیر مہر علی شاہ صاحب اس وقت لا الہ الا اللہ کی تفسیر بیان کر رہے تھے۔ اور اس میں معقولی اور منقولی دلائل اور نکات بیان فرما رہے تھے۔ اس وقت ان کی تقریر کا اختتام تھا۔ کچھ اچھی طرح سے میں نہ سن سکا۔ بہرحال تقریر کے اختتام کے بعد خدمت عالی میں پہنچا۔ اور پانچ روپے حضرت پیر صاحب کی نذر کئے۔ رات کو مرغ پلاؤ کھایا اور سو رہے۔ صبح قریب دس بجے کے حضرت پیر صاحب کی صحبت میں بیٹھے ہوئے تھے۔ کہ ناگاہ رونے کی آواز آئی۔ اور میں نے دیکھا کہ چند صورتیں روتی ہوئی آ رہی ہیں۔ میں نے ایک صاحب سے چپکے سے پوچھا۔ یہ بین اور بکار اور شیون کیا ہے۔ اس نے چپکے سے میرے کان میں کہا۔ پیر صاحب کی شیرخوار بچی فوت ہوگئی ہے۔ اس کی مکان (یعنی ماتم پرسی پر) دوسرے گاؤں کی عورتیں آ رہی ہیں۔ جب وہ عورتیں حضرت پیر صاحب کے محل سرا میں پہونچیں تو ماتم سے کہرام برپا ہوگیا۔ اور سیاپا کیا گیا۔ اور یہ سیاپا روزمرہ امرت سر میں ہماری گلی میں ہی ہندو عورتیں کسی کے مرنے پر اس طرح برپا کیا کرتی تھیں۔ کہ گلی کوچوں سے گذرنا محال ہو جاتا تھا۔ اور ان دنوں امرت سر میں ہندوؤں میں سے سیاپے کی رسم موقوف کرنے کے لئے ہندوؤں کی ایک کمیٹی معرض وجود میں آ چکی تھی۔ پس یہ نظارہ جب میں نے گولڑہ شریف میں حضرت پیر صاحب کے گھر میں دیکھا۔ تو دل میں خیال آیا کہ جس رسم کو ہندو برا سمجھ کر ترک کرتے جاتے ہیں۔ وہ حضرت پیر صاحب کے گھر میں ہے۔

چو کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی

اس خیال نے مجھے ایسا گدگدایا کہ پیر صاحب کے پاس بیٹھنا مجھ پر دشوار ہوگیا۔ میں چاہتا تھا۔ کہ فوراً اٹھ کر وہاں سے چلا آؤں۔ مگر مجبوراً ایک گھنٹہ تک ان کی خدمت میں بیٹھا رہا۔ جب پیر صاحب گھر کو تشریف لے گئے۔ تو میں نے احمد دین سے کہا کہ بھئی میں یہاں نہیں

ٹھہر سکتا۔ میں یہاں دین سیکھنے کے واسطے آیا ہوں یا کہ ایسی بدعات شنیعہ۔ اس نے کہا۔ تو بڑا بداعتقاد ہے۔ میں نے کہا ہوا کرے۔ جبکہ یہ خود بدعتوں میں پھنسے ہوئے ہیں۔ تو مجھے کیا ہدایت کرینگے۔

خفتہ را خفتہ کئے کند بیدار

میں نے احمد دین کو مجبور کیا۔ اور وہاں سے بھی بے نیل مرام جیسے گئے تھے ویسے واپس آ گئے۔

سیال شریف کا عزم:

شیخ احمد دین نے کہا کہ میں سیال شریف جانے والا ہوں۔ حضرت مولٰنا شمس الدین صاحب کی خدمت میں۔ میں نے کہا چلو دیدارِ مرداں کفارہ گناہ۔ گولڑے سے آ کر چند دن کے بعد سیال شریف شیخ احمد دین کی معیت میں جانے کا اتفاق ہوا۔ شیخ احمد دین نے اڑھائی سو روپیہ مولٰنا کی نذر کیا۔ تمام روز میں ایک نظارہ دیکھتا رہا۔ بہت سے اونٹ آتے تھے۔ اور حسب پسند داغ کئے جاتے تھے۔ اور داغ کر کے نذر میں لے لئے جاتے تھے۔ اور غیر داغ والے مریدوں کو واپس کر دئے جاتے تھے۔ اور روز یہی تانتا لگا رہا۔ حضرت مولٰنا شمس الدین صاحب اسی میں مصروف رہے۔ دوسرے روز حضرت مولٰنا کی خدمت میں شیخ احمد دین نے کچھ اپنے کاروبار ٹھیکہ داری کے متعلقہ عرض کر کے دعا کی درخواست کی۔ حضرت مولٰنا صاحب میری طرف متوجہ ہوئے اور فرمانے لگے۔ سائیں تو کتھوں آیاں ہے، کے ناں ہے۔ اور کس مطلب لئے آیا ہیں۔ میں نے عرض کیا کہ فیوض باطنی سے کچھ حصہ لینے کے لئے آیا ہوں۔ فرمایا چند دہاڑے ٹکیں گا یا جائیں گا۔ میں نے عرض کیا کہ حضرت رہ نہیں سکتا۔ فرمایا۔ پیران چشت کی کچھ نذر من چھوڑ۔ میں خاموش ہو گیا۔ پیر صاحب نے پھر میری طرف توجہ نہیں فرمائی۔ یہاں سے بھی بے نیل مرام واپس ہوا۔ راستہ میں مجھے شیخ احمد دین

صاحب نے سمجھایا کہ کوئی نذرمان لینی چاہئیے تھی۔ میں نے کہا۔ بھئی نذر وزر ماننی تھی تو پیران رتر چھتر میرے لئے کافی تھے کہ میرے پیر تھے اور میرے والدین کے بھی پیر تھے۔

تعویذ لکھنے کا شوق:

پھر میں پنجاب میں کسی بزرگ کی خدمت میں نہیں گیا۔ اس اثناء میں مجھے کشمیر جانے کا اتفاق ہوا۔ کیونکہ میری بیوی کا پھوپھی زاد بھائی عبداللہ پیر جو سری نگر میں ڈپٹی انسپکٹر تھا سخت علیل ہو گیا تھا۔ اور میرے پھپھا سسر مصطفیٰ پیر صاحب عرف مس پیر نے اس وقت ایک پیر کہن سال تھے، میری بیوی کو آکر مجبور کیا کہ عبیداللہ کشمیر میں جا کر عبداللہ پیر کو ساتھ لے آئے۔ یا اس کی خبر لیوے۔ میں نے ہر چند معذرت کی۔ لیکن انہوں نے ۷۵ روپے لا کر آگے رکھ دیئے اور کہا بیٹا ضرور جاؤ۔ اور میری سفید ریش کی طرف خیال کرو۔ میں کشمیر میں گیا۔ وہاں حضرت میر عبدالاحد صاحب اندرابی جو مولوی ابو محمد حسن شعری کے شاگرد تھے۔ اور قادریہ خاندان کے سجادہ نشین تھے۔ اور بذریعہ خط وکتابت ان سے سابقہ تعارف تھا، ان سے ملا۔ میر عبدالاحد صاحب اندرابی عربی اور فارسی میں اچھی مداخلت رکھتے تھے۔ شعر بھی کہا کرتے تھے۔ ان کو تعویذات اور عملیات میں بہت کچھ دخل تھا۔ چنانچہ میں نے ان سے تعویزوں کا بھرنا، تعویز لکھنا، زکوٰۃ دینا۔ اعداد نقش پندرہ غالب مغلوب، طالب مطلوب اور اعداد منخابہ وغیرہ سیکھے۔ پھر انہوں نے ایک عربی کی کتاب دی۔ جس کا نسخہ میرے پاس پہلے سے موجود تھا۔ اس کا میں نے ترجمہ کیا۔ اور وہ چھپ چکا ہے۔ جس میں متعدد تعویذات کا بھرنا اور لکھنا درج ہے۔ وہ لاہور کے چھاپہ خانہ میں کرم الدین نے چھپوائی تھی۔ لیکن ان نقشوں کے لکھنے سے مجھے کوئی مفاد حاصل نہ ہوا۔ اس واسطے میں اس علم سے بھی دستکش ہو گیا۔ لیکن دل میں عملیات کا شوق گدگداتا رہا۔

بریلی میں ایک ''باکمال'' شخص کا ذکر:

جب میں رامپور میں پہنچا تو سنا کہ بریلی میں ایک باکمال بزرگ ہیں۔ حضرت شاہ نظام الدین حسین خلف حضرت شاہ نیاز احمد صاحب بریلوی چشتی نظامی۔ ان کو دیکھنے کے واسطے بریلی گیا۔ زیارت نصیب ہوئی۔ میں نہایت ارادت اور ادب کے ساتھ ان کے حضور بیٹھا ہوا تھا کہ ناگاہ ایک طوائف آ گئی۔ اس نے دو پونڈ حضرت کی نذر کئے اور قدم بوسی کی۔ حضرت نے وہ دو پونڈ اس سے لے لئے۔ اس نے دست بستہ عرض کیا کہ حضرت حضور نے مجھ کو ایک نقش دیا تھا۔ جس کی برکت سے برج بھوکن سرنداس رام پور کا خزانچی میرا تابعدار بن گیا تھا۔ بدقسمتی سے وہ نقش مجھ گنہگار سے گم ہو گیا۔ اب خزانچی موصوف مجھ سے فرنٹ ہو گیا ہے۔ حضرت شاہ نظام الدین حسین نے ارشاد فرمایا۔ ہاں اور دیا جائے گا۔ خاطر جمع رکھو۔

میرے بد اعتقاد دل نے فوراً مجھے اس مجلس سے اٹھنے کی انگیخت کی۔ میں سلام کے بغیر ہی دل میں لاحول پڑھتا ہوا باہر نکلا۔ ان کے خلیفہ صاحب باہر بیٹھے ہوئے چند سفید پوش بزرگ ہستیوں کو ارادت کا سبق تلقین فرما رہے تھے۔ مجھ کو دیکھ کر فرمانے لگے۔ آپ حضرت صاحب کے حضور سے بڑی جلدی اُٹھ آئے ہیں۔ میں نے واقعہ عرض کیا۔ فرمانے لگے۔ کیا قرآن شریف کی آیات میں برکت نہیں۔ میں نے کہا معاذ اللہ کیا قرآن شریف کی آیات ایسی بداعمالی کے لئے نازل ہوئی ہیں۔ خلیفہ صاحب کچھ خاموش ہو گئے۔ اور میں وہاں سے اُٹھ کر اپنے اس سفر پر اور خرچ سفر پر دل میں افسوس کرتا ہوا رامپور واپس آ گیا۔

مولوی ولی نبی صاحب سے ملاقات:

ایک شخص میرا دوست یعقوب علی تھا۔ اس نے پوچھا کہ کہاں گئے تھے۔ میں نے ان

سے ذکر کیا۔انہوں نے کہا وہاں جانے کی کیا ضرورت تھی۔ یہاں ایک مقدس وجود موجود ہے۔حضرت مولنا ولی نبی نقشبندی مجددی قطب زمانہ ہیں،آپ ان سے ملیں۔منشی گوہرعلی ایک مرید کی وساطت سے جو میرا دوست تھا میں مولوی ولی نبی صاحب کی خدمت میں گیا۔ آپ ایک مسجد میں تشریف رکھتے تھے۔آپ مجددی طریقہ میں بیعت لیتے تھے۔صبح کے وقت حلقہ ہوا کرتا تھا۔گوہرعلی نے کہا کہ یہ حضرت پنجاب سے آئے ہیں۔اورارادہ بیعت کا رکھتے ہیں۔ چنانچہ میں نے اسی جگہ کچھ مٹھائی منگوائی۔اورایک روپیہ نذرکیااور بیعت کی۔ آپ نے وہی مراقبے کا طریقہ جوحضرت امام علی شاہ صاحب یا پیر صادق علی شاہ صاحب ارشاد کیا کرتے تھے،فرمایا۔اور کہا کہ صبح نماز یہاں آکر پڑھا کرو۔میں ان کی خدمت میں اکثر صبح کے وقت اُن کے حلقہ میں حاضر ہوتا۔اورایک مدت تک مراقبہ کرکے بیٹھارہتا۔گھنٹہ یا آدھ گھنٹہ کے بعد آپ ہاتھ اٹھاتے دعا کرتے اور چلے جاتے نہ کسی پر وجد تھا،نہ حال تھا۔ چندروز کے بعدان کے مریدوں سے معلوم ہوا،کہ آپ حزب البحر کے بڑے عامل ہیں۔میں نے بھی حزب البحر پڑھنے کی اجازت طلب کی۔

حزب البحر پڑھنے کا طریق:

فرمایا۔تین روز زکوۃ دینی چاہیئے۔اورزکوۃ کا یہ طریقہ بیان کیا کہ تین سیر جو اپنے ہاتھ سے سات دفعہ دریا کے پانی سے دھوکر سکھاؤ۔اوراپنے ہاتھ سے باوضو ہوکر پیسو۔اور کورے برتن میں ڈال کرکورا پیالہ اورکورالوٹا لے کردریا کے کنارے چلے جاؤ۔وہاں تین دن دن بھر روزہ رکھو۔اور بوقت افطار اپنے ہاتھ سے جو گوندھو۔مگر وہ چھنے ہوئے نہ ہوں۔اور اپنے ہاتھ سے پکاؤ۔اوربغیر سالن روٹی میں صرف نمک ڈال کرکھاجاؤ۔اوراحرام باندھ کریعنی ایک چادر نیچے ایک چادراوپر ننگے سراور ننگے پاؤں سودفعہ روزانہ رات اوردن میں حزب البحر

کو باوضو پڑھو۔اور وضوٹوٹنے پرفوراً پھر وضو کرلیا کرو۔اور سوائے اس کے کوئی اور غذا استعمال نہ کرو۔اور نہ کسی شخص سے کلام کرو۔اور سوتے وقت زمین پر سوؤ۔اور جب سو کر اٹھو تو اسی وقت دریا کے پانی سے غسل کرو۔اور جب زکوٰۃ پوری کر چکو۔تو ایک مرغ لے کر گھر میں آ کر ذبح کرو۔اور اسے پکا کر تین مسکینوں کو کھلا دو۔ پھر ہر روز کسی نماز کے بعد صرف ایک دفعہ حزب البحر پڑھ لیا کرو۔(اس مجاہدہ کو ترک جلال و جمال کہتے ہیں۔کیونکہ اس میں گوشت بھی ترک کیا جاتا ہے۔اور دودھ، دہی، گھی اور سبزی وغیرہ بھی)

میں نے حسب الارشاد رامپور کے دریائے کوسی پر جو سٹیشن کے قریب ہے ایک مسجد میں، جو جرنیل عظیم الدین خان نے ویرانے میں بنوائی تھی، یہ عمل شروع کیا۔دو روز تو میں نے جوں توں کر کے نان ونمک پر گزارہ کیا۔مگر تیسرے روز پیچش شروع ہوگئی۔اور بار بار پاخانے آنے لگ گئے۔ساتھ ہی شدید بخار ہوگیا۔میں نے جوں توں کر کے دن کاٹا۔بار بار وضو کرتا تھا۔اور بار بار حزب البحر پڑھتا تھا۔لیکن بہرحال میں نے افتاں وخزاں تین سو کی تعداد کو پورا کر لیا۔شہر سے کوئی پونے دو میل کا فاصلہ تھا۔میری عادت ننگے پاؤں پھرنے کی نہیں تھی۔ جابجا کانٹے لگ گئے۔اور آخر گرتا پڑتا گھر پہنچا۔بعدازاں ایک ایسا واقعہ پیش آیا۔جس نے مجھ سے یہ عمل چھڑا دیا۔اور وہ یہ ہے کہ نواب صاحب کی ایک خاص طوائف جے پور کی بائی صاحبہ جس پر نواب صاحب عاشق تھے، ان سے روٹھ کر جے پور چلی گئی۔اور باہمی ناچاقی ہوگئی۔ نواب صاحب ہر چند منت وسماجت کرتے تھے۔لیکن وہ رامپور میں آنے کا نام نہیں لیتی تھی۔ نواب صاحب کے حاشیہ نشینوں میں سے کسی نے کہا۔مولوی ولی نبی صاحب کو بلا کر آپ فرمائیں۔ چنانچہ نواب صاحب نے مولوی صاحب کو بلوایا۔اور کچھ نذر بھی دی۔اور عرض حال کیا۔مولوی صاحب نے کہا۔میں وظیفہ کرتا ہوں۔ چنانچہ ادھر مولوی صاحب نے وظیفہ

شروع کیا۔ اور ادھر نواب صاحب نے اپنی ریاست کے چیف انجینئر رائٹ صاحب کو جو دو ہزار روپیہ تنخواہ پاتا۔ اور انگریزوں میں بڑی وجاہت رکھتا تھا۔ مہاراجہ جے پور کے پاس بھیجا۔ اور وہ مہاراجہ کو سمجھا بجھا کر بائی صاحبہ کو ساتھ لے آیا۔ مولوی صاحب نے فرمایا کہ یہ میرے عمل کی تاثیر ہے۔ چنانچہ مولوی صاحب کا مشاہرہ مقرر ہو گیا۔ چونکہ میں بوجہ حضرت مولوی غلام علی صاحب قصوری کی تعلیم کے ایسے امور کو کراہت کی نگاہ سے دیکھتا تھا۔ میں نے حزب البحر شریف کا عمل چھوڑ دیا۔ اور مولوی صاحب کی خدمت میں بھی آنا جانا ترک کر دیا۔

ایک اور بزرگ کی صحبت:

بعد اس کے میاں محمد عاشق صاحب رام پور کی خدمت میں جانے لگ گیا۔ اور ان کے صاحبزادہ خواجہ میاں صاحب سے تعاون بڑھ گیا۔ آپ ایک درویش صورت گوشہ نشین تھے۔ جب ان سے استدعا کی گئی۔ آپ مجھ کو کوئی حصول کشف کا طریقہ بتائیں تو فرمانے لگے جو مجھ کو نہیں آتا آپ کو کیا بتاؤں۔ میں نے گستاخانہ عرض کیا کہ یہ مسند آرائی پھر کیسی۔ کہنے لگے پیٹ پالنے کا دھندہ ہے۔ جب کوئی کام نہ آیا تو پیری مریدی لے بیٹھے۔ ان کے انکار سے مجھے شبہ پڑ گیا کہ یہ ضرور کچھ جانتے ہیں۔ میں نے کہا حضرت اس انکار سے آپ کی مطلب براری نہیں ہوگی۔ من از دامن طلب دست برنہ دارم۔ فرمانے لگے اچھا آتے جاتے رہا کرو۔ میں اکثر ان کی خدمت میں جاتا تھا۔ لیکن ادھر اُدھر ہی کی باتیں ہوتی تھیں۔ ایک دن عرض کیا کہ میں تضیع اوقات کے لئے تو نہیں آتا۔ کہنے لگے تمہارے آنے سے دل بہل جاتا ہے۔ کوئی چٹکلا سنا جاتے ہو۔ ہنسا جاتے ہو۔ کوئی شعر سنا جاتے ہو۔ میں نے کہا پھر میں لے کر کیا جاتا ہوں۔ ایک دن فرمانے لگے تا ارادتے نیاری۔ سعادتے نبری۔ میں نے عرض کیا میں آپ کا دل سے مرید ہوتا ہوں نہ کہ زبان سے۔ کہنے لگے کہ زبان اور جنان دونوں کا

اتحاد ایمان میں شرط ہے۔ میں نے کہا دل کا حال خدا جانتا ہے۔لیکن زبان دل کی ترجمان ہے۔زبان سے تو عرض کیا ہے۔ پاؤں نے تصدیق کردی کہ حضور کی خدمت میں حاضر ہوا۔ فرمانے لگے کہ حبس نفس کیا کرو۔ میں نے کہا جوانی کا عالم ہے۔ باغ میں بلبل حبس نفس نہیں کرسکتا۔کوئی ذکر شغل ہی بتائیں کوئی بتائیں کوئی وظیفہ ارشاد ہو۔ کہنے لگے اللہ اللہ کیا کرو۔ میں ان کی خدمت میں جاتا رہا۔لیکن چندروز کے بعدان کا انتقال ہوگیا۔ بے شک ایک سادہ مزاج انسان تھے۔لیکن مجھ کوان کی صحبت سے کوئی فیض حاصل نہ ہوا۔

میاں منصور صاحب رامپور کی خدمت میں:

اس وقت ایک اور بزرگ رام پور میں مشہور تھے۔میاں منصور صاحب آپ ہمیشہ داڑھی پر ڈھاٹھا باندھے رہتے تھے۔شعر بھی کہتے تھے۔تاریخ کا مادہ نکالنے میں اچھی دسترس تھی۔ان سے ملاقات کے بعد عرض کیا کہ مجھے شعروشاعری کی ضرورت نہیں ۔ مجھے تاریخ گوئی سے مطلب نہیں۔مطلب سعدی دیگر است ۔ایک کشکول گدائی لے کرآیا ہوں۔ کچھ میرے کاسے میں بھی بھچھیا ڈال دیا جائے ۔ کہنے لگے۔لوراجہ کے گھر میں موتیوں کا کیا کال ہے۔تم چہل کاف پڑھا کرو۔ان کا لکھا ہوا مدت تک میرے پاس رہا۔ میں ہر چند چاہتا کہ میری زبان پر چہل کاف چڑھے مگر نہ چڑھا۔کیونکہ چالیس کاف صرف دوسطروں میں جمع کئے ہوئے تھے۔ میں نے ایک ہفتہ کے بعد عرض کیا۔ یہ ٹیڑھی کھیر ہے۔چہل کاف پڑھا نہیں جاتا۔کوئی آسان چیز بتادیں۔ یہ تو رقیۃ العقارب ہے۔ میں تو چاہتا ہوں کہ کوئی کیفیت قلبی حاصل ہوجائے۔ کہنے لگے ترک جلالی و جمالی کرنا پڑے گا۔ میں نے کہا حضرت علی سے تو جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی ترک لذات نہیں کرایا۔ یہ خلاف مسنون طریق میرے کس کام ہے۔فرمانے لگے معلوم ہوتا ہے تم میں کچھ تو ہب کا مادہ ہے۔ میں نے کہا

توہب ہو یا غیر توہب مجھے تو سیرت نبویؐ میں سے کوئی عمل بتائیں۔ کہنے لگے کسی مولوی سے پوچھ لو۔ میں نے کہا بہت بہتر میں اُٹھ کے آنے لگا تو کہنے لگے۔ کیا ناراض ہو گئے ہو۔ میں نے کہا حضرت ناراض اس حالت میں ہوتا۔ جب یہ سمجھتا کہ آپ کے پاس کچھ ہے۔ اور آپ نہیں دیتے۔ جب آپ کے پاس میری مطلوبہ چیز ہے ہی نہیں تو میں کیوں ناراض ہونے لگا۔ آپ کی خدمت میں حاضر ہونا آپ کا تضیع اوقات ہے۔ کچھ آنکھیں نیچی کر کے خاموش ہو گئے۔

آفتاب صداقت کا طلوع ہونیوالا ہے:

پھر میں نے سنا کہ گنج مراد آباد میں ایک بزرگ رہتے ہیں مولوی فضل الرحمٰن صاحب۔ انہی دنوں میں مجھے حصول رخصت رائے بریلی کی طرف جانے کا اتفاق ہوا۔ اور مولٰنا فضل الرحمٰن صاحب ایک شب اپنے پاس ٹھہرنے دیتے تھے۔ اور صبح کو رخصت کر دیتے تھے۔ میں رات کو ان کی خانقاہ میں ٹھہرا۔ صبح کو انھوں نے بلایا اور دریافت کیا کہ آپ کس مطلب کے واسطے آئے ہیں۔ میں نے کہا کوئی سہل طریقہ ارشاد ہو۔ کہ جس سے کوئی کشفی حالت مجھ پر بھی وارد ہو۔ یا وجد و حال ہی کی لذت حاصل ہو۔ کہنے لگے بھئی اس تلاش میں تو میں بھی بیٹھا ہوا ہوں۔ میں نے ہزاروں عمل کئے۔ مجاہدے کئے۔ آجتک تو کوئی کشفی صورت مجھ پر وارد نہیں ہوئی۔ لوگ مجھے بزرگ سمجھ کر جوق در جوق آتے ہیں۔ دعا کی درخواست کرتے ہیں۔ میں بھی دعا کر چھوڑتا ہوں۔ کوئی بندہ خدا آپ کو مل جائے گا۔ جو آپ کی مراد تک پہنچائے۔ اب وقت صبح کا ہے۔ ستارے چھپ رہے ہیں۔ آفتاب نکل آیا ہے۔ آفتاب کو تلاش کرو۔ میں نے کہا جب آفتاب نکل آیا ہے۔ تو اس کی تلاش کیا کرنا۔ کہنے لگے یہ بھی ٹھیک ہے۔ مگر بھائی آنکھوں میں تمہارے رمد نہ ہونی چاہیئے یعنی آشوب چشم نہ ہو کہ تم آفتاب

کو نہ دیکھ سکو۔ میں نے کہا حضرت اسی آشوب چشم کا نسخہ عنایت فرمایا جائے کہ آشوب رفع ہو۔ کہنے لگے بس اتنا ہی کافی ہے کہ اہل اللہ کا نام سنو تو ان کی غیبت نہ کرو، ان کو برا نہ کہو، بلکہ فیض حاصل کرنے کے واسطے ان کی خدمت میں جاؤ۔ یہ میری آخری ملاقات تھی۔ ان کے اس فرمانے پر کہ ستارے چھپ گئے ہیں۔ اور آفتاب نکل آیا ہے۔ میں نے کہا۔ جو آفتاب ہوگا مجھے خود ہی نظر آجائے گا۔

اللہ تعالیٰ کے حضور دعا:

انہی دنوں میں نے ایک مسدس کہا۔ جس میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مقدس کی طرف یوں التجا تھی۔

یارسول اللہ برائے درد ما درماں فرست
مہدی آخرزماں یا عیسیٰ دوراں فرست
خشک سالے مردمی محمد یوسف از کنعاں فرست
قوم شد غرق جہالت نوح کشتی باں فرست
گرنگیری خواجہ دست امت از پا اوفتد
اوفتد آسان کہ ناش ہم ز دنیا اوفتد

قبول احمدیت کی داستان:

خدا تعالیٰ نے میری یہ دعا قبول کی۔ اور محض اپنے فضل سے اس نے مجھے وہ وقت عنایت فرمایا کہ میں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی زیارت کی اور آفتاب دیکھ لیا۔ میں ارجح المطالب چھپوانے کے لئے لاہور میں ابراہیم ڈوری باف کے مکان پر ایک روز ٹھہرا ہوا تھا۔ کوئی ساڑھے آٹھ بجے صبح کا وقت ہوگا کہ میں ایک چارپائی پر لیٹا ہوا تھا۔ کسی نے کہا

سامنے ایک شخص بیٹھا ہوا ہے اور وہ مرزائی ہے۔ وہ بھی ڈوری بن رہا تھا۔ اور ابراہیم ڈوری باف کا اجرتی ملازم تھا۔ اس کا نام احمد دین ڈوری باف تھا۔ میں نے اس کو بلایا۔ اور اس سے احمدیت کے متعلق کچھ باتیں کرنے لگا۔ اتنے میں صوفی نبی بخش صاحب اس شخص کو دیکھ کر تشریف لے آئے۔ چارپائی کے سامنے مونڈھا بچھا تھا، اس پر بیٹھ گئے۔ میں نے صوفی صاحب سے چند سوالات کئے۔ جن کے انہوں نے جواب دیئے۔ بالآخر میں نے کہا ایک مدت ہوئی ہے کہ حضرت مرزا صاحب کی تصنیف براہین احمدیہ جس وقت چھپ رہی تھی۔ تو میں نے اس کو دیکھا تھا۔ وہ کتاب تو نہایت لاجواب تھی۔ لیکن بعد میں کوئی تصنیف مرزا صاحب کی نہیں دیکھی۔ سنا ہے کہ آپ نے بہت بڑا دعوی کیا ہے۔ خصوصاً مہدی ہونے کا۔ کیونکہ مسیح ناصری کی وفات کا میں پیشتر ازیں قائل ہو چکا تھا۔ اس واسطے مسیح موعود ہونے کی نسبت ان سے پوچھا۔ انہوں نے کسوف خسوف والی حدیث کو پیش کیا۔ میں نے کہا ابن خلدون نے تو مہدی کی حدیثوں کو مجروح ٹھہرایا ہے۔ اور امام بخاری نے تو کوئی باب نہیں باندھا۔ اس واسطے آپ مجروح حدیث کو کیوں پیش کرتے ہیں۔ صوفی صاحب نے کہا سبحان اللہ جب زمین وآسمان نے شہادت دے دی۔ حدیث نے اپنی تصدیق پر آپ مہر کر دی تو پھر بھی وہ مجروح رہی۔ اس جواب کی معقولیت نے میرے دل پر ایک گہرا اثر کیا۔ میں نے ان سے کہا۔ آپ نے یہ بات کہاں سے حاصل کی۔ آیا آپ نے کوئی حدیث کی کتاب یا علم کلام کی کتاب مطالعہ کی ہے۔ صوفی صاحب نے کہا میں نے کسی کتاب کو نہیں دیکھا۔ اس دوسرے جواب نے میرے دل پر اور بھی چرکہ لگایا۔ ان کی شکل وشباہت غور سے دیکھ کر خیال آیا کہ ایک امی شخص ایسے برجستہ جواب نہیں دے سکتا۔ کوئی اس میں گہرا راز ہے۔ یہ تو صحابہ کا نمونہ معلوم ہوتا ہے۔ میں نے کہا اچھا حضرت مسیح موعودؑ کی کوئی کتاب آپ کے پاس ہے۔ وہ

شخص جوڈوری بن رہا تھا۔اس نے کہا ایک کتاب ایک طالبعلم رکھ گئے ہیں۔لیکن وہ عربی کی ہے۔اگر دیکھنا چاہتے ہیں تو اس وقت میرے پاس موجود ہے۔میں نے کہا ہاں ہاں لے آؤ۔ وہ کتاب لے کر آیا وہ سرّ الخلافہ تھی۔میں لے کر جس مکان پر ٹھہرا ہوا تھا۔رات کو دیکھنے لگا۔ میں چت لیٹا ہوا کتاب کو پڑھ رہا تھا۔عبارت کی روانی ،مضامین کی آمد اور بے ساختگی کو دیکھ کر بے اختیار سبحان اللہ سبحان اللہ زبان سے نکل جاتا تھا۔دوسرے دن اس ڈوری باف نے (جو بعد میں غیر مبائع ہوگیا۔صوفی احمد دین ڈوری باف اس کا نام تھا)۔مجھ کو مسک المعارف مولوی محمد احسن کی دی۔اور میرے دل میں خیال اٹھا کہ حضرت مسیح موعود کی زیارت کروں۔ لیکن اس وقت میری دونوں بیویاں میرے پاس لاہور میں ریاست رامپور سے آئی ہوئی تھیں۔اس وجہ سے میں عجلت کر کے قادیان حاضر نہ ہوسکا۔مگر احمدی احباب سے تعارف پیدا ہوگیا۔خصوصاً مفتی محمد صادق صاحب سے نہایت راہ رسم پیدا ہوگیا۔

بشپ لیفرائے کا لیکچر:

انہی دنوں بشپ لیفرائے نے معصوم نبی کا اشتہار نکالا۔اور انار کلی فورمن ہال میں دیا۔ مفتی محمد صادق صاحب نے اس کے دندان شکن جواب دیئے۔جن کی تفصیل طول رکھتی ہے۔ بعد اس نے ایک اور اشتہار ''زندہ نبی'' کا نکالا۔اس پر لاہور کے عمائد نے مولوی ثناء اللہ کو امرت سر سے بلوایا۔مولوی ثناء اللہ نے آتے ہی مجمع عام میں لوگوں سے کہا کہ میں معصوم نبی کے لیکچر کا جواب دوں گا۔مگر زندہ نبی کا جواب احمدی دیں گے۔چنانچہ اس قرارداد کے مطابق اتوار کی شب کو جب بشپ لیفرائے نے زندہ نبی کے مضمون پر لیکچر دیا تو اختتام پر مولوی ثناء اللہ نے اٹھ کر کہا۔پادری صاحب میں آپ سے اس مضمون معصوم نبی کے متعلق کچھ کہنا چاہتا ہوں۔بشپ نے کہا کہ اس وقت میرا تازہ لیکچر تھا۔اور سننے والے بہت سے

موجود تھے اور ممکن ہے اس وقت وہ نہ ہوں۔ آپ میرے اس وقت کے لیکچر پر جو کچھ اعتراض کرنا ہے کریں میں جواب دوں گا۔ مولوی ثناء اللہ نے کہا۔ میں اس پر کوئی اعتراض نہیں کرتا۔ میں تو سابقہ لیکچر پر آپ سے گفتگو کروں گا۔ جانبین سے اس پر دیر تک ردّ وکد ہوتی رہی۔ بعض لوگوں نے کہا کہ مولوی صاحب آپ آج ہی کے لیکچر پر گفتگو کریں۔ مگر مولوی ثناء اللہ پہلوتہی کرتے رہے۔ بشپ نے مولوی ثناء اللہ صاحب کی عاجزی دیکھ کر کہا اچھا اسی پر گفتگو شروع کرو۔ مولوی ثناء اللہ صاحب کی زبان سے اثنائے گفتگو میں یہ نکل گیا۔ کہ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا استغفار کرنا بنا بر کسر نفسی تھا۔ اس پر بشپ نے کہا کہ مولوی صاحب آپ اپنے نبی کو معصوم ثابت کرنے کے لئے خدا کو جھوٹا کہتے ہیں۔ کسر نفسی کی وجہ سے نبی صاحب اگر استغفار کرتے تھے تو خدا کو چاہیے تھا کہ جواب دیتا کہ آپ معصوم ہیں، استغفار کی ضرورت نہیں۔ لیکن یہاں تو خدا تعالیٰ الٹا نبی کو فہمایش کرتا ہے کہ تم اپنے گناہوں کے لئے استغفار کرو۔ میں آپ سے زیادہ گفتگو کرنا نہیں چاہتا۔ آپ کی گفتگو کی معقولیت مجھ پر ظاہر ہو گئی۔ پھر کہنا لگا میرے آج کے لیکچر پر جس نے گفتگو کرنی ہو وہ کرے۔ جناب مفتی صاحب نے حضرت مسیح موعود کی تحریر کو با آواز بلند پڑھ کر سنایا۔ بشپ نے سن کر کھڑے ہو کر کہا۔ آج تک میں نے یہ باتیں نہیں سنی تھیں۔ میں اس کا جواب دینے کے لئے تیار نہیں۔ اتنا سن کر عوام الناس میں ایک شور برپا ہو گیا۔ اور متفق اللفظ ہو کر کہنے لگے ہم پادری صاحب کے ساتھ ہیں۔ مرزائیوں کی تقریر کے ساتھ ہمارا اتفاق نہیں ہے۔ اور ایک شور مچا دیا۔ مجھے اس وقت جوش پیدا ہو گیا۔ میں نے کہا۔ اے مسلمانو! شرم کرو۔ اور اس وقت کی تقریر پر غور کرو۔ اتنے میں بشپ چلا گیا۔ اور جلسہ ختم ہو گیا۔

بعد اس کے حضرت مسیح موعود کا پیغامِ مناظرہ بشپ کو پہنچا۔ لیکن بشپ نے مناظرہ سے انکار کر

دیا ۔ (بشپ لیفرائے کا واقعہ ۳۱ مئی ۱۹۰۰ء الحکم سے تفصیلاً ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔)

میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بیعت بذریعہ خط اگرچہ چند دِن پہلے کر چکا تھا۔ مگر بعد میں میں نے ایک بیعت نامہ بھی لکھا۔ جس کی ابتدا یوں تھی ۔

بیعت نامہ:

نخستیں کہ در بزم گاہِ وجود — بآدم سپردند جامِ شہود

ازاں جام پر تو نمودار شد — کہ ذراتِ عالم پُر انوار شد

چو آدم بسوئے جناں رخت برُد — ہماں جام باشیثِ داناں سپرد

چو پوشید روشمسِ شیث از فتوح — بعالم درخشندہ شد یوح نوح

ازاں باز از مہرِ ربِ جلیل — ز باب العیاں گشت بدرِ خلیل

اسی بیعت نامہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بسنت میں نے لکھا تھا۔

کہ آئد پس از من مسیح سعید

پھر حضرت مسیح موعود کی نسبت بخطاب زمیں بوس عرض کیا تھا۔

کسانیکہ بردین ترشاستند — زتیغ دعائے تو تر ساستند

چو آتھم بقعر جہنم نشست — چلیپا بدوش نصاریٰ شکست

بر اسلام چوں شد الداالخصام — چہاآمد از چرخ بر لیکھرام

چناں دہرہ دہرش از ہم درید — ہمہ آریہ قوم آہے کشید

یہ بیعت نامہ حضرت مفتی محمد صادق صاحب کی معرفت حضرت مسیح موعود کے حضور بھیجا۔ اور انہوں نے پڑھ کر سنایا۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ یہ تو ایک دوسرا فردوسی معلوم ہوتا ہے۔

چنانچہ اسی پر میں نے کہا ہے

از مسیح اللہ گشتم فیضیاب   یافتم فردوسی ثانی خطاب۔

(مرأۃ الاسلام)

نوٹ: یہ بیعت نامہ الحکم مورخہ ۲۴ اپریل ۱۹۰۰ء میں درج ہے۔

قادیان میں آمد:

بیعت نامہ ارسال کرنے کے بعد میں خود بھی اپنی بیویوں کو لاہور میں چھوڑ کر اور خرچ دے کر حالانکہ اس وقت وہ مسافر خانہ حالت میں رہتی تھیں، قادیان دارالامان میں آیا اور دستی بیعت کی۔ یہ میرا قادیان میں آنا دوسری دفعہ تھا۔ کیونکہ اس سے پہلے میں حضرت حکیم مرزا غلام مرتضٰی صاحب مرحوم کی خدمت میں اپنے سالے امانت اللہ کو جو سینے پر گھوڑے کے دولتے لگنے سے مسلول و مدقوق ہو گیا تھا، اپنے والد صاحب کی اجازت سے لے کر آیا تھا۔ اس وقت بٹالہ اور امرتسر کے درمیان ابھی ریل تیار نہیں ہوئی تھی۔ اس وقت میں نے قادیان کے بڑے بازار میں مغرب کے وقت صرف ایک ٹمٹماتا ہوا چراغ دیکھا۔ شاید کوئی پکوڑے والا تھا کہ اس کا چراغ ٹمٹما رہا تھا۔ اور چاروں طرف بڑے بڑے کھنڈر پڑے ہوئے تھے۔ حضرت مرزا غلام مرتضٰی صاحب کے ہاں سے کھانا کھایا۔ صبح کو کوئی آٹھ بجے کے قریب حضرت مرزا صاحب نے بیمار کی حالت کو دیکھ کر کہا کہ بھائی ان کو بہت جلدی لے جاؤ۔ پھر ارشاد ہوا کھانا تیار ہے کھا کر جانا۔ مرزا سلطان احمد صاحب سے اس وقت سے ملاقات ہے۔ حضرت مسیح موعود کی زیارت نہیں ہوئی اور نہ اس غرض سے میں آیا تھا۔

مرزا قادر صاحب سے ملاقات:

مرزا غلام قادر صاحب سے بھی نیاز حاصل ہوا۔ وہ اس وقت گھوڑے پر سوار ہو کر گورداسپور کی طرف تشریف لے جا رہے تھے۔ چونکہ میرے والد صاحب کے ساتھ ان کا تعارف تھا۔

انہوں نے کہا میرا السلام وعلیکم کہہ دینا۔مگر افسوس ہے کہ مرزا صاحب نے اس بیمار کی حالت کو دیکھ کر جلدی لے جانے کو کہا ہے۔اور میرا خیال ہے شاید گھر تک نہ پہنچ سکے۔جلدی چلے جانا بہتر ہے۔ورنہ چند روز یہاں مرزا سلطان احمد صاحب کے پاس ٹھہرتے۔پھر مرزا غلام قادر صاحب،حکیم محمد شریف صاحب خلف حکیم حسین علی صاحب موجووالی کے ہاں تشریف لاتے تھے۔ان سے نیاز حاصل ہوتا رہتا تھا۔حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی اس زمانہ میں زیارت نہیں ہوئی۔ہاں مرزا سلطان احمد صاحب سے بارہا ملاقات ہوتی تھی۔جب تشریف لاتے تھے تو حکیم مولوی محمد شریف صاحب کے مکان پر ہی ٹھہرتے تھے۔اور بسا اوقات ان سے تبادلہ خیالات ہوا کرتا تھا۔میرے خیالات اس وقت رندانہ تھے۔صبح کو جب یہاں قادیان سے رخصت ہونے لگا تو بڑے بازار میں ہو کر ابھی یکے پر سوار نہیں ہوا تھا کہ بازار کی طرف نگاہ کر کے دیکھا تو ایک دکان پر کوئی کپڑا اچھا ہوا تھا۔اور اس پر دانے پڑے ہوئے تھے۔اس کے علاوہ بازار میں کچھ نہ تھا۔یہ اس وقت کی بازار کی حالت تھی۔

☆ریاست رامپور کے کتب خانہ میں سرقہ:

ایک دفعہ ریاست رامپور کے کتب خانہ میں سے چند کتابیں قلمی اور ایک قرآن شریف جو نادر روزگار تھا ایک چور جونپور کا چرا کر لے گیا۔اور اس نے وہ کتابیں خدا بخش خاں وکیل عظیم آباد پٹنہ اور نواب الطاف علی خاں صاحب رئیس اعظم پٹنہ کے پاس فروخت کیں۔خاکسار کو منجانب ریاست ان کتابوں کی تلاش کے واسطے روانہ کیا گیا۔میں لکھنؤ ہوتا ہوا حیدرآباد پہنچا۔کلکتہ گیا۔کتب خانہ آصفیہ کو دیکھا۔ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ کا کتب خانہ دیکھا۔گھومتا گھامتا عظیم آباد پٹنہ میں پہنچا۔اس وقت میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی سوانحعمری لکھ

☆:۲۱اپریل ۱۹۳۹ء

رہا تھا۔ جہاں جاتا اس بہانے سے کہ میں حضرت علیؓ کی سوانح عمری لکھ رہا ہوں۔ کتب خانوں کو دیکھتا بھالتا نواب الطاف علی خاں صاحب کے کتب خانے کو بھی دیکھا تو میری نگاہ میں ایک کتاب پڑی جس کا نام حسن وعشق تھا۔ نواب کلب علی خاں صاحب نے بڑے اہتمام کے ساتھ الٰہی بخش مرجان رقم خوشنویس رامپور سے لکھوائی ہوئی تھی۔ میں نے اس کو دیکھ کر گو اس کی جلد اکھاڑ کر بدل دی تھی۔ اور مرجان رقم کا نام بھی اس پر سے مٹا دیا گیا تھا۔ مگر چونکہ میرے ہاتھ سے کئی دفعہ نکل چکی تھی۔ فوراً پہچان لیا۔ ایک دن اسی اثناء میں کہ میں خدا بخش خاں صاحب وکیل کے کتب خانہ میں بیٹھا ہوا کتابیں دیکھ رہا تھا کہ تحویلدار نے مجھے ایک قرآن بڑا خوشخط دکھایا۔ میں نے کہا چند روز ہوئے میں نے ایک شخص کے پاس ایک قرآن دیکھا تھا۔ جو نہایت ہی مطلاً اور مذہب تھا۔ اس سے یہ اچھا نہیں۔ تحویلدار نے جواب دیا۔ کہ میں نے بھی دیکھا تھا اور مجھے بھی معلوم ہے جہاں ہے۔ میں نے پوچھا۔ کہاں ہے۔ اس نے کہا میں یہ بتا نہیں سکتا۔ میرا شبہ قوی ہو گیا۔ کہ وہ قرآن شریف مع ستون مجالس حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کے جو نہایت خوشخط تھی۔ اور یاقوت مستعصمی کے لکھے ہوئے صد کلمات جو ریاست رامپور کے کتب خانہ سے چوری ہو چکے ہیں۔ وہ بھی یہیں کہیں ہیں۔ میں نے بذریعہ تحریر نواب حمید الظفر خاں صاحب بہادر کی خدمت میں جو اس وقت نائب مدار المہام ریاست تھے۔ اور جنہوں نے مجھ کو بھیجا ہوا تھا، رپورٹ بھیجی۔ اس پر نواب صاحب نے مجھ کو رامپور میں واپس بلا لیا۔ معلوم ہوا کہ وہ چور جونپور کا جس نے کتابیں چرائیں تھیں۔ گرفتار ہو کر ریاست میں آ گیا ہے۔ اس نے بعد گرفتاری بیان دیا۔ کہ میں نے یہ کتابیں خدا بخش خاں صاحب وکیل کے پاس فروخت کی تھیں۔ منجانب ریاست ڈمی آفیشل کارروائی شروع ہو گئی۔ نواب الطاف علی خاں صاحب نے اقبال کیا۔ کہ وہاں وہ کتاب حسن وعشق میرے

پاس ایک شخص ۳۰ روپیہ میں بیچ گیا ہے۔اس لئے نواب صاحب نے حکم دیا کہ مولوی عبیداللہ کوتوال امداد حسین کے ساتھ جا کر عظیم آباد پٹنہ میں شناخت کرے کہ وہی کتاب ہے؟ چنانچہ میں کوتوال امداد حسین کے ساتھ عظیم آباد پٹنہ پہنچا۔نواب الطاف علی خاں صاحب نے تیس روپے لے کر وہ کتاب امداد حسین کوتوال کے سپرد کر دی۔کوتوال نے مجھ سے پوچھا کیا یہی کتاب ہے؟ میں نے کہا ٹھیک یہی کتاب ہے۔ثبوت مقدمہ کے واسطے مالِ مسروقہ کا برآمد ہونا کافی تھا۔ ہم دونوں عظیم آباد پٹنہ سے واپس ہوئے۔ آرے کے سٹیشن پر مولوی شبلی صاحب سے ملاقات ہوئی۔ جو الٰہ آباد کو جا رہے تھے۔ مجھ کو دیکھ کر کہنے لگے۔آہا مولوی عبیداللہ معلوم ہوتا ہے۔تم عظیم آباد پٹنہ سے آئے ہو۔میں اس وقت عظیم آباد پٹنہ میں ہی تھا۔ کہ ریاست رامپور کے کتب خانہ کی کتابیں لے کر چور خدابخش خاں وکیل کے پاس پہنچا۔ چونکہ خدابخش صاحب نوادرات کے بہت ہی دلدادہ ہیں۔ میں نے ہر چند ان سے کہا کہ یہ ایک علم دوست نواب کے کتب خانہ کی چیزیں ہیں۔آپ ان کو نہ مول لیں۔مگر اس نے ان کو خرید لیا۔ میں نے کوتوال صاحب سے کہا کہ آیئے مولوی صاحب سے ملاقات کیجئے۔ وہ مصافحہ کر کے کھڑے ہو گئے۔ چاہتے تھے کہ انٹروڈیوس ہو۔کہ میں نے مبادرت کر کے مولوی صاحب سے کہا۔ کہ ہاں حضور پھر آپ نے خدابخش صاحب کو منع نہ کیا کہ وہ ان کتابوں کو لیتے۔فرمانے لگے۔ ہاں منع تو بہت کیا تھا۔لیکن وہ ایسی کتابوں کے نہایت دلدادہ ہیں۔ خصوصاً قلمی نسخوں کے۔انہوں نے میری بات پر توجہ نہ کی۔ میں نے کہا۔تو مولوی صاحب آپ کو شہادت دینی پڑے گی۔ کہنے لگے۔نہیں نہیں میں نے کہا۔ **لا تکتموا الشھادۃ ومن یکتمھا فانہ اثم قلبہ.** چیں بہ جبیں ہو کر فرمانے لگے اجی جب ضرورت بھی ہو۔کہ اتنے میں ریل کی سیٹی ہوگئی۔مولوی شبلی صاحب اور میں ایک گاڑی میں بیٹھ گئے۔اور امداد

حسین کوتوال ایک علیحدہ گاڑی میں۔ بیٹھتے ہی فرمانے لگے۔ کہ دیکھو مولوی عبیداللہ عبدالسلام صاحب جج اور بنے میاں سے جا کر اس بات کا تذکرہ نہ کرنا۔ میں نے عرض کیا کہ حضرت میں اس کو طرح کس چھپا سکتا ہوں۔ میرے ساتھ کوتوال انہی کتابوں کی تلاش میں نکلا ہوا ہے۔شبلی صاحب فرمانے لگے۔غضب ہوگیا۔تم نے پہلے کیوں نہ کہا کہ میں اس کے پاس ذکر ہی نہ کرتا۔ میں نے کہا مولوی صاحب! اب تو یہ بھانڈا پھوٹ گیا ہے۔ یہ میری ان کی گفتگو مغرب کی نماز کے بعد ہوئی۔ مولوی صاحب دوسرے سٹیشن پر جہاں گاڑی جا کر چند منٹ کے لئے ٹھہری تھی۔ سر برہنہ میرے پاس سے اٹھ کر امداد حسین کوتوال کی گاڑی میں جا کر کہنے لگے۔ بھائی امداد حسین دیکھیو میرا ذکر بنے میاں صاحب (یعنی حمید الظفر خاں صاحب) سے یا کسی سے نہ کرنا۔ امداد حسین نے لمبی ہوں کر کے ٹال دیا۔ گاڑی میں واپس آ کر فرمانے لگے۔ وہ تو کچھ بولتا چالتا نہیں۔لیکن بھئی تم نے نہ کہنا۔ میری تمہاری ملاقات ہے میرے منہ سے نکلا جناب بھاڑ میں جائے ایسی ملاقات کہ تمام کتب خانہ کے ناکردہ گناہ ملازم اس وقت زیر عتاب ہیں۔ان کی آپ کی گواہی سے گلوخلاصی ہوتی ہے۔اور آپ انکار کرتے ہیں۔ میں نے کہا سبحان اللہ! ہاتھی کے دانت دکھانے کے اور۔اور کھانے کے اور۔قریب تھا کہ ان کی اور میری تو تو میں میں ہوجاتی کہ میں ان کے قریب سے اٹھ کر ایک فاصلہ بینچ پر جا بیٹھا۔ آگے گاڑی بدلتی تھی۔ وہ الہ آباد کو تشریف لے گئے۔ اور ہم رامپور کو آ گئے۔ آٹھ بجے رات کے رامپور پہنچے۔ کوتوال صاحب کتاب لے کر کوتوالی چلے گئے۔ اور میں اپنے گھر کو چلا گیا۔ صبح کو مجھے نہانے دھونے اور کپڑے بدلنے میں دیر ہوگئی۔ امداد حسین کوتوال مجھ سے پہلے پہنچ کر بنے میاں صاحب اور عبدالسلام خاں صاحب کے مواجہ میں وہ کتاب پیش کر کے کہنے لگا۔ حضور وہ قرآن شریف اور دیگر کتابیں بھی برآمد ہوگئیں۔ عبدالسلام صاحب نے

پوچھا۔ کس طرح؟ کہنے لگا خدا بخش خاں وکیل نے وہ کتابیں مولوی شبلی صاحب کے مواجہ میں چور سے خریدیں تھیں۔ اور شبلی صاحب گواہ ہیں۔ عبدالسلام خاں صاحب بنے میاں خانصاحب کے بہنوئی علاقہ انگریزی میں سیشن جج کے عہدہ پر مامور تھے۔ اور ان دنوں بحصول رخصت رامپور تشریف رکھتے تھے۔ بے ساختہ اچھل کر کہنے لگے۔ اگر شبلی صاحب گواہی دیدیں۔ تو ہم خدا بخش خاں صاحب وکیل کے گلے میں ہاتھ ڈال کر کتابیں نکال لیں۔ امداد حسین خاں تم فوراالہ آباد چلے جاؤ۔ ایک اپنے دوست جج کا نام بتایا۔ کہ ان کے سامنے مولوی شبلی صاحب سے بیان لے لو۔ وہ رخصت ہوکر نکلا تھا کہ میں بنے میاں صاحب کی خدمت میں اپنی رپورٹ عرض کرنے کے لئے پہنچ گیا۔ عبدالسلام خاں صاحب میرے طرف متوجہ ہوکر کہنے لگے۔ مولوی عبیداللہ تمہارا یہ سفر تو بڑا مبارک ہوا۔ کہ قرآن شریف بھی اور کتابیں بھی برآمد ہوگئیں۔ میں نے عرض کیا۔ کہاں سے؟ کہنے لگے۔ خدابخش وکیل نے شبلی صاحب کے سامنے لیں۔ شبلی صاحب گواہ ہیں۔ میں نے کہا بے شک بشرطیکہ مولوی شبلی صاحب گواہی دے دیں۔ کہنے لگے نہیں امداد حسین کے روبرو انہوں نے اقرار کیا ہے میں نے کہا۔ امداد حسین کی نہ ان کی ملاقات، میں نے ملاقات کرائی تھی۔ شبلی صاحب امداد حسین کو کیا جانیں۔ جب امداد حسین مجھ سے علیحدہ ہوگئے تو مجھ سے شبلی صاحب نے یہ کہا تھا۔ کہ دیکھو میں ہرگز گواہی نہیں دوں گا۔ تم نے رامپور میں میرا ذکر نہ کرنا۔ چنانچہ اس پر میں نے یہ آیت بھی پڑھی۔ کہ **لاتکتموا الشھادۃ** شبلی صاحب نے تو کہا تھا کہ جب ضرورت بھی ہو۔ میں خدا بخش صاحب کے خلاف گواہی نہیں دوں گا۔ اور مجھ سے ناراض بھی ہوگئے۔ میں نے کہا مسلمان مبتلائے مصائب ہیں۔ آپ کی گواہی سے بچ سکتے ہیں۔ کہنے لگے نہیں نہیں مولوی عبیداللہ شبلی صاحب کبھی جھوٹ بولنے والے نہیں۔ میں نے کہا میں بحث نہیں کرتا۔

لیکن وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ وہ گواہی نہیں دینگے۔ عبدالسلام صاحب کہنے لگے۔ تمہارا خیال غلط ہے۔ میں نے کہا خدا کرے ایسا ہی ہو۔ یہ کہہ کر میں چلا آیا۔

اس کے چوتھے دن امداد حسین خاں کوتوال الہ آباد سے آ گیا۔ اس نے بیان کیا کہ میں صاحب الامر فلاں مجسٹریٹ صاحب کی کوٹھی پر پہنچا۔ اور شبلی صاحب کو بلوایا۔ ان سے کتابوں کے متعلق گفتگو آئی۔ فرمانے لگے۔ کیسی کتابیں؟ میں نے کہا۔ جو مولوی عبیداللہ کے روبرو آپ نے بیان کی تھیں، کہنے لگے۔ ہاں وہ حضرت علیؓ کی سوانح عمری لکھ رہے ہیں اور میں حضرت عمرؓ کی۔ انہوں نے کہا تھا فلاں کتاب ملتی نہیں۔ میں نے کہا خدابخش خاں وکیل کے کتب خانہ میں موجود ہے۔ میں نے حضرت علیؓ کے متعلق چند کتابوں کا ذکر کیا تھا۔ انہوں نے کہا تھا۔ کتب خانہ ریاست رام پور میں موجود ہیں۔ تمہیں تو ان باتوں کا ہوش نہیں تھا۔

جب آ کر امداد حسین نے بنے میاں اور عبدالسلام خاں صاحب سے یہ بیان کیا۔ تو اس کے دوسرے روز میں بنے میاں صاحب کی کوٹھی پر گیا۔ جہاں اکثر جایا کرتا تھا۔ کیونکہ ان کے صاحبزادے اور بنے میاں کا صاحبزادہ دونوں مجھ سے ایف۔ اے کورس پڑھا کرتے تھے۔ مجھ کو دیکھ کر کہنے لگے۔ بھئی مولوی عبیداللہ تم سچے نکلے۔ افسوس افسوس افسوس۔

واعظاں کیں جلوہ بر محراب و منبر مے کنند
چوں بخلوت مے روند آں کار دیگر مے کنند

یہ شعر پڑھا۔

غرض وہ قرآن شریف اور کتابیں نہ ہی ملیں۔

مولانا حالی سے ملاقات:

منشی امیر احمد صاحب امیر مینائی جو نواب کلب علی خانصاحب والئے ریاست رام پور

کے استاد اور شاعری میں مسلم الثبوت تھے، انہوں نے امیر اللغات لکھی۔ ردیف الف ممدودہ بڑے اہتمام سے چھپوائی۔ منشی محمد احمد صاحب اپنے خلف الصدق کو دہلی میں بھیجا۔ اور کہا کہ مولانا الطاف حسین صاحب حالی کی خدمت میں پیش کرو۔ تا کہ آپ اس پر ریویو لکھیں۔ میں نے بھی انہی دنوں دہلی آنا تھا۔ منشی محمد احمد صاحب کہنے لگے کیسا اچھا ہے کہ الطاف حسین صاحب سے ملاقات ہو۔ اور سفر اکٹھا کٹ جائے۔ ہم دونوں دہلی میں حالی صاحب کی خدمت میں پہنچے۔ اور امیر اللغات پیش کی گئی۔ حالی صاحب نے ایک نظر ڈال کر ارشاد فرمایا۔ منشی صاحب نے بہت محنت کی ہے۔ فرہنگ آصفیہ سے بھی اچھی کتاب ہے۔ مگر اردو میں لوچ اور لچک اس وقت پیدا ہوگی۔ جبکہ عربی اور فارسی کے سنگریزے نکال دیئے جائیں۔ اور بجائے اس کے سنسکرت اور بھاشا کی زبان میں اردو میں پیر جائے۔ منشی محمد احمد صاحب یہ سن کر کبیدہ خاطر ہو گئے۔ لیکن میری زبان بے جگہ چھدی ہوئی تھی۔ میں نے عرض کیا۔ کہ عربی زبان کی شاعری میں جہاں تک دیکھا جاتا ہے۔ مرد عورت پر عاشق ہوتا ہے۔ فارسی خنثیٰ ہے۔ یہ نہیں معلوم ہوتا کہ مرد عاشق ہے یا عورت عاشق ہے۔ اور سنسکرت سے تو میں واقف نہیں۔ البتہ بھاشا کی ٹھمریاں سن کر اس قدر معلوم ہوا ہے کہ بھاشا کی شاعری میں عورت مرد پر عاشق ہوتی ہے۔ نفس الامر میں مردانہ زبان سخت کرخت ہے۔ اور زنانہ زبان لوچ اور لچکدار ہے۔ جب تک اردو۔ عربی اور فارسی کے ماتحت رہے گی۔ ایک جوہر حلاوت وشجاعت اس میں باقی رہے گا۔ مگر ساتھ ہی کرختگی بھی رہے گی۔ بیشک جب تک زنانہ زبان کے الفاظ اردو میں آ کر نامردی نہیں پیدا کریں گے۔ تب تک

اوئی اللہ میں مرگئی لوگو

عربی اور فارسی کہاں پیدا کرسکیں گے۔ حالی صاحب خاموش ہو کر رہ گئے۔

چند سال کے بعد جب دیوناگری اور اردو کا سوال گورنمنٹ میں پیش ہوا۔ اور گورنمنٹ یوپی بھی اس پر آمادہ ہوگئی۔ کہ دفاتر میں رسم تحریر دیوناگری ہی مناسب ہے۔ چنانچہ کماؤں کے اضلاع میں رسم تحریر اردو کا ہٹا کر دیوناگری کو جاری کر دیا گیا۔ تو اس وقت یہ بحث معرکۃ الآراء ہو رہی تھی۔ میں دہلی اتفاق سے آ نکلا۔ اور حالی صاحب کی ملاقات کو گیا۔ ان کی محفل مبارک میں اس بات کا تذکرہ ہو رہا تھا۔ کہ پہلے فارسی کو ذبح کیا گیا تھا۔ اور اب اردو کو ذبح کیا جا رہا ہے۔ میں نے ہنس کر عرض کیا۔

اے باد صبا ایں ہمہ آوردۂ تست

فرمانے لگے۔ مجھ پر کیسا الزام؟ میں نے کہا

جوت ہے تیری جل اور تھل میں
باس ہے تیری پھول اور پھل میں

(جوت بمعنے رنگ اور باس بمعنے خوشبو)

جناب ہی نے تو ارشاد فرمایا تھا۔ کہ جب تک اردو میں سنسکرت اور بھاشا کے الفاظ پیر نہ جائیں تب تک اس میں لوچ اور لچک نہ آئے گا۔ اب لوچ اور لچک آپ کے حسب منشاء گورنمنٹ پیدا کر رہی ہے۔ آپ اس میں کیوں مزاحم ہوتے ہیں۔ جب میں اٹھنے لگا تو باوجود پیرانہ سالی کے حالی صاحب اٹھ کھڑے ہوئے۔ کہنے لگے بھئی بات تو تم نے ٹھیک کہی۔

ایک بہائی سے گفتگو:

ایک دفعہ ریاست رام پور میں ایک بہائی مسمی بہ نور الدین آ گیا۔ مجھے احمد حسین صاحب بی۔ اے علیگ ہیڈ ماسٹر ہائی سکول رام پور کہنے لگے چلو اس کو دیکھ آئیں۔ وہ صاحبزادہ چھٹن صاحب بہادر کے مکان پر ٹھہرا ہوا تھا۔ جس وقت ہم دونوں وہاں پہنچے۔ تو وہ

چندا کابریں کے مجمع میں بہاء اللہ کے عہدہ کی نسبت تقریر کر رہا تھا۔ اور یہ شعر اس کی زبان پر جاری تھا۔

روا باشد انا اللہ از درختے
چرا نبود روا از نیک بختے

یعنی جب انا اللہ ایک درخت کہہ سکتا ہے۔ تو ایک نیک بخت آدمی بھی ایسا دعویٰ کر سکتا ہے۔ مراد اس کی یہ تھی کہ اگر بہاء اللہ بھی انا اللہ کہتا ہے۔ تو ایسا ہی کہتا ہے۔ مجھے احمد حسین صاحب نے اپنی کہنی سے چھیڑا کہ کچھ کہو۔ میں نے کہا کہ صاحب ایک عرض کرتا ہوں اگر اجازت ہو۔ کہنے لگے۔ ہاں ہاں خوشی سے۔ میں نے کہا جب خدا بعض کے اجسام میں حلول کرتا ہے۔ تو وہ لوگ اپنا عجز کیوں ظاہر کرتے ہیں۔ اور ان کی قدرت کیوں سلب ہو جاتی ہے۔ حتیٰ کہ پٹ کر جاتے ہیں۔ نمرود نے کہا۔ **انا احی و امیت**۔ تو کہتے ہیں۔ اس کو حس (جس کو علتِ نمرودی بھی کہتے ہیں) کا مرض دماغ میں پیدا ہو گیا۔ جس سے اس کا دماغ کھجلانے لگا۔ جب تک اس کے سر پر جوتے نہیں پڑتے تھے اسے چین نہیں آتا تھا۔ حتیٰ کہ اسی طرح پٹتے پٹتے اس کی جان جاتی رہی۔ فرعون نے **انا ربکم الاعلیٰ** کہا۔ اور غرق بحیرہ قلزم ہو گیا۔ رام چندر نے دعویٰ کیا۔ اور راون نے ان کی بیوی کو ورغلا لیا۔ کرشن کی نسبت کہتے ہیں کہ انہوں نے اوتار ہونے کا دعویٰ کیا تو سانپ نے ان کو ڈسا۔ مسیح کی نسبت خدا کے بیٹے ہونے کا دعویٰ ہوا۔ اور وہ صلیب دیا گیا۔ حضرت علیؓ کی نسبت نصیریہ نے ایسا ہی خیال منسوب کیا۔ اور عبدالرحمٰن ابن ملجم کے ہاتھ سے سر پر تلوار کھائی۔ حضرت امام حسین کی نسبت شیعہ نے اسی کے قریب قریب خیال کیا۔ اور کربلا میں سر کٹ گیا۔ منصور نے **انا الحق** کہا۔ اور الٹی کھال کھچوائی گئی۔ کیوں خدا نبیوں کو نہیں بھیجتا۔ جن کے متعلق **کتب اللہ لا غلبن انا و رسلی**

کا وعدہ ہے۔ حضرت موسیٰ آئے تو فرعون کو غرق کر دیا۔ حضرت ابراہیم نے نمرود کو جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام کفار کو ملیا میٹ کر دیا۔ جب نبی بہتر کام کر سکتا ہے۔ تو خود خدا کو تشریف لانیکی کیا ضرورت ہے۔ میرے اس کہنے پر وہ بالکل خاموش ہو گیا۔ اس کے بعد ایک رات کو نواب صاحب کے دربار میں نورالدین موجود تھا۔ میں بھی اتفاقاً نواب صاحب کے دربار میں بیٹھا ہوا تھا۔ نواب صاحب نے نورالدین سے پوچھا کہ تم بہاء اللہ میں اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں کیا فرق کرتے ہو۔ اور اسے جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی شریعت کے ماتحت سمجھتے ہو یا نہیں۔ اور دونوں کے رتبہ میں کیا امتیاز کرتے ہو۔ (نواب صاحب کی غرض اس وقت یہ تھی کہ عبیداللہ حضرت مسیح موعود کی نسبت کہے۔ تو ان دونوں کا باہمی مباحثہ شروع ہو جائے) نورالدین بے ساختہ کہنے لگا۔ ہم بہاء اللہ کو اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہم رتبہ سمجھتے ہیں۔ نواب صاحب نے میری طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ عبیداللہ تم کیا کہتے ہو۔ میں نے کیا حضور ایک ذات کی گستاخی کے واسطے شاہ ایران کو خداتعالیٰ نے اس کے بیٹے کے ہاتھ سے قتل کروا دیا۔ اس نے کہا تھا کہ نبی عرب صلی اللہ علیہ وسلم کو گرفتار کر کے میرے پاس لاؤ۔ کیونکہ نبی عرب نے **من محمد رسول اللہ الیٰ کسریٰ العجم** لکھا تھا۔ نبی عرب نے میری گستاخی کی ہے۔ اس واسطے گرفتار کر کے میرے دربار میں لانا چاہیئے۔ لیکن خداتعالیٰ نے اس ذاتِ بابرکات کو کسریٰ کی گرفت سے محفوظ رکھا۔ اور کسریٰ کی مراد پوری نہ ہوئی۔ اور محمد شاہ قاچار شاہ ایران نے بہاء اللہ کو گرفتار کیا۔ اور سجن اعظم میں رکھا۔ اور ناصرالدین شاہ نے اس کو ایران سے نہایت رسوائی کے ساتھ بحالت قید ترکوں کی قید میں دے دیا۔ اور مکہ میں ایک مدت تک قید خانہ میں رہا۔ اور وہیں مر گیا۔ مساوات تو اسی سے معلوم ہو سکتی ہے۔ نواب صاحب کہنے لگے۔ بہت معقول۔ بہت

معقول۔ بہت معقول تین دفعہ کہا۔ اس پر نور الدین کہنے لگا۔ حضرت یوسف علیہ السلام بھی تو قید میں رہے تھے۔ میں نے کہا۔ ہم حضرت یوسف علیہ السلام کو کب جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مساوی سمجھتے ہیں۔ ان کو بھی تو چھوٹا سمجھتے ہیں۔ اسی محفل میں مولوی علی رضاء شیعہ بولا کہ مرزا صاحب بھی دعویٰ فصاحت و بلاغت رکھتے ہیں۔ اور بہاء اللہ کی کتابیں دیکھی جاتی ہیں۔ تو ان میں بھی دعویٰ فصاحت و بلاغت ہے۔ وہ بھی کہتا ہے کہ میرے کلام کا کوئی جواب نہیں لکھ سکتا۔ میں نے کہا کتب خانہ سرکاری میں بہاء اللہ کی اکثر تصنیفات موجود ہیں۔ منگوا کر دیکھ لیا جائے۔ کہ سوا اپنے قید ہونے اور مصائب پر رونے کے اور کیا لکھا گیا ہے۔ خدا کی ہستی پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت پر ابطال تناسخ پر۔ بعث ونشر کے ثبوت پر۔ رد تثلیت پر جو ادلّہ و براہین فصاحت و بلاغت کے ساتھ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بیان فرمائے ہیں، وہ بہاء اللہ کی تصنیفات میں کہاں ہیں۔ بہاء اللہ کی فصاحت و بلاغت مقامات بدیعی اور مقامات حریری سے کیا فوقیت رکھتی ہے۔ مگر مقامات حریری، مقامات بدیعی، اطباق الذہب، اطواق الذہب اور مقامات ہندی وغیرہ کتب کو دیکھ لیا جائے۔ جو فلسفہ الٰہیات حضرت مسیح موعودؑ کی کتابوں میں ہے، وہ ان میں کہاں ہے۔ بے شک یہ تمام تصانیف مسجع ومقفّی ہیں۔ لیکن حضرت مسیح موعود کی تصانیف ادلّہ و براہین سے مملو ہیں۔ اور یہ کتابیں ان سے خالی ہیں۔ اس پر انصار حسین بول اٹھا کہ واقعی مرزا صاحب کی تصانیف میں یہ خوبی ہے۔ مرزا صاحب کی تصانیف میں فصاحت و بلاغت بھی ہے۔ اور فلسفیانہ رنگ بھی۔ بہاء اللہ نے صرف اپنا رونا رویا ہے۔ مرزا صاحب کے کلام کے ساتھ اس کے کلام کی کوئی نسبت ہی نہیں۔

☆سیرت المہدی کا ورق

حضرت مسیح موعودؑ کی زیارت کے لئے قادیان میں آمد:

حضرت امام حسین علیہ السلام کولاہور میں نے جب میں خواب میں دیکھا تو اس کے بعد میں حضرت مسیح موعودؑ کی زیارت کے لئے قادیان حاضر ہوا۔آ کر دیکھا تو کسی قدر بہ نسبت سابق قادیان میں چہل پہل تھی۔خربوزوں کے دن تھے۔مسجد مبارک میں پہنچا۔اس وقت چند متبرک نفوس خربوزے کھا رہے تھے۔چنانچہ میں نے بھی ایک آدھ خربوزہ کھایا۔اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے برآمد ہونے کی نسبت پوچھا۔لوگوں نے کہا ابھی کچھ دیر ہے۔میں نے خیال کیا چلو حضرت مولانا نورالدینؓ صاحب کی زیارت کر آئیں۔

مولوی صاحب کے مطب میں پہنچا۔مولوی صاحب اس وقت تشریف نہیں رکھتے تھے۔محمد اعظم خوشنویس مجھ کو مل گیا۔وہ اپنی بیٹھک پر لے گیا۔تھوڑی دیر وہاں بیٹھا ہوں گا کہ محمد اعظم نے کہا۔اب حضرت صاحب کے برآمد ہونے کا وقت ہے۔میں عجلت سے مسجد مبارک میں پہنچا تو اس دروازے کے ساتھ ہو کر بیٹھ گیا،جس سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام برآمد ہوتے تھے۔لوگوں نے کہا یہاں مت بیٹھو۔یہاں حضرت مسیح موعود علیہ السلام بیٹھا کرتے ہیں۔مجھے تعجب ہوا کہ نہ کوئی مسند نہ گاؤ تکیہ۔اتنا بڑا آدمی۔یہ تعجب کی بات تھی۔کیونکہ میں جہاں جاتا رہا۔وہاں کے بزرگوں کو مسند آراء اور ممتاز جگہ پر تکیہ لگائے پاتا رہا تھا۔کہ اتنے میں مولوی عبدالکریم صاحب تشریف لے آئے۔ان سے مصافحہ ہوا۔ابھی ادھر ادھر کی گفتگو ہوئی تھی۔کہ سیڑھیوں پر سے اوپر اٹھتے ہوئے حضرت مولوی عبداللطیف صاحب شہید کی زیارت ہوئی۔مولوی عبدالکریم صاحب ان کی طرف متوجہ ہو گئے۔آپ کہاں سے آئے

☆:۷مئی ۱۹۳۹ء

ہیں۔اور کون ہیں ۔مولوی عبداللطیف صاحب نے فرمایا میں سید ہوں اور کابل سے آیا ہوں ارادہ حج رکھتا ہوں۔حضرت مرزا صاحب سے کہہ دیں کہ میں آ گیا ہوں۔مولوی صاحب نے کہا کہ حضرت صاحب ابھی تشریف لاتے ہیں۔اتنے میں دروازہ کھلا اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام برآمد ہوئے۔

قلبی تاثرات:

میں نے حضور کو سر سے پاؤں تک دیکھ کر اپنے دل میں کہا۔کہ شان رسالت بھی چہرے سے نمایاں ہے۔مولویت بھی حضور کے چہرے پر پھب رہی ہے۔اور ساتھ ہی فقر کے آثار بھی معلوم ہوتے ہیں کہ مسند ہے نہ گاؤ تکیہ۔چہرے پر بھولا پن کے آثار بھی ہیں۔غرضیکہ مجموعہ خوبی نظر آئے۔

مولوی عبداللطیف صاحب کے ساتھ حضور کا مصافحہ ہوا۔دیر تک ان کے حالات پوچھتے رہے۔اتنے میں مسجد مبارک میں ہی دستر خوان بچھ گیا۔اور دوپہر کا کھانا آ گیا۔ایک پیالی میں کریلے پکے ہوئے پڑے تھے۔میں بالکل حضرت مسیح موعودؑ کے مواجہ میں بیٹھا ہوا تھا۔

عصمت انبیاء کے متعلق ایک سوال:

کھانا کھانے کے دوران میں ہی میں نے بشپ لیفرائے کے لیکچر معصوم نبی کی نسبت عرض کیا کہ انبیاء کرام علیھم السلام کبائر سے تو معصوم ہیں؟اور کیا خاص امر تبلیغ یعنی احکام الٰہی پہنچانے میں معصوم ہیں یا ہر فعل میں۔اور بعد از بعثت معصوم ہیں یا قبل از بعثت بھی معصوم تھے؟ساتھ ہی میں نے عرض کیا کہ بعض متکلمین لکھتے ہیں۔کہ محفوظ کا درجہ معصوم سے بلند ہے۔کیونکہ معصوم بمنزل ایک بچے کے ہے۔جو گناہ کی قدرت ہی نہیں رکھتا۔اور محفوظ باوجود قدرت رکھنے کے بچا رہتا ہے۔اس لئے محفوظ کا درجہ بڑا ہے۔پس وہ انبیاء کو محفوظ کہتے ہیں۔اور مفتی

صاحب نے آیت کریم **واللہ یعصمک من الناس** کو آنحضرت ﷺ کی عصمت کے بارے میں پیش کیا ہے۔ حالانکہ اس جگہ عصمت سے مراد ایذاء کفار سے بچا رہنا ہے۔ یہاں عصمت اعمال کو کیا دخل ہے؟ اس موقعہ پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے **واللہ یعصمک من الناس** کے ان معنوں کی نسبت جو بشپ لیفرائے کے مقابلہ میں پیش کئے گئے تھے فرمایا۔ کہ یہ معانی الہامی ہیں۔ اور یہ کہ عصمت سے مراد ہر طرح کی عصمت ہے عملی عصمت بھی اور دشمنوں کے شر سے محفوظ رہنا بھی۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے اس مسئلہ کو کچھ ایسی شرح بسط کے ساتھ بیان فرمایا کہ میں اس کا اعادہ نہیں کر سکتا۔

ذنب کا مفہوم:

اسی طرح آیت قرآنی **واستغفر لذنبک** کی نسبت فرمایا۔ کہ ذنب اور ذنب کا مادہ ایک ہے۔ حیوان کے نہایت پتلے حصے کو ذنب کہا جاتا ہے۔ یہ گناہ کے معنے میں نہیں آتا۔ گناہ کے واسطے **اثم**، **عصیان** اور **جناح** آیا ہے۔ ذنب کے معنی اس جگہ دراصل کوتاہیوں کے ہیں۔ اور اس کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تیری کوتاہیوں کو معاف کرے۔ مثلاً کسی قدر قضائے حاجت میں وقت لگنے کی وجہ سے نماز میں دیر ہوگئی یا سجدہ سہو ہو گیا۔ ایسی ایسی کوتاہیوں کے لئے آیا ہے۔ **واستغفر لک لذنبک** اور جس شخص نے اس کے معنی گناہ کے لئے ہیں. اس نے ٹھوکر کھائی ہے۔ اور لغت عرب سے ناواقفیت کا ثبوت دیا ہے۔ حضرت صاحب کا اتنا فرمانا تھا۔ کہ میرا دل وجد سے بھر گیا ہے۔ اور دل کہہ اٹھا کہ قرآن جاننے ولا یہی وجود ہے اور کوئی نہیں۔ کیونکہ **واستغفر لذنبک** کے سب نے یہی معنی کہے تھے۔ کہ گناہوں کی معافی مانگ۔ کسی نے یہ نہیں کئے تھے کہ کوتاہیوں کی معافی مانگ۔

صفات سلبیہ معیار فضیلت نہیں ہیں:

اسی تقریر میں حضرت مسیح موعودؑ نے یہ بھی فرمایا۔ کہ عیسائی حضرت مسیح موعودؑ کی صفات سلبیہ بیان کرتے ہیں۔ اور صفات سلبیہ معیار فضل نہیں ہیں۔ انہیں چاہیے کہ صفات ثبوتیہ پیش کریں۔ یہ تقریر کچھ ایسی دلاویز تھی۔ کہ کاش میرے پاس اس وقت قلم دوات یا پنسل ہوتی۔ تو میں حضرتؑ کی اس تقریر کو بالاستیعاب لکھ لیتا۔

التا ئب من الذنب کمن لا ذنب له

میرے قلب پر اسوقت رقت طاری ہوگئی۔ اور آنسو بہنے لگ گئے۔ میں نے کھڑے ہو کر عرض کیا کہ میں آج تک سخت بھولا رہا۔ کاش جس وقت کہ براہین احمدیہ چھپ رہی تھی اسی وقت میں حضور کی قدمبوسی کے لئے حاضر ہوتا۔ **یا لیتنا کنا معک فنفوز فوزا عظیما.** اس وقت میں بھی مخالفوں میں سے تھا۔ لیکن اب میں توبہ کرتا ہوں۔ حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا. **التا ئب من الذنب کمن لا ذنب له** چشم مبارک نہایت روشن تھیں. چونکہ میں نے کھڑے ہو کر یہ عرض کیا تھا۔ اس لئے حضور نے آنکھ اٹھا کر مجھے دیکھا۔ اس وقت میں نے حضور کی چشم مبارک کو دیکھا کہ نہایت روشن اور اجلٰی تھیں۔

چشم بد دور آنکھیں موتی چور

اس کے بعد میں نے پھر ایک دفعہ حضرت مسیح موعودؑ کی آنکھوں کو دیکھا۔ بس دو دفعہ ہی میں نے حضرت مسیح موعودؑ کی آنکھوں کی پتلی دیکھی ہے۔ کیونکہ حضور کو نہایت محض بصر رہتا تھا۔ جس سے حضورؑ کی آنکھ کی پتلی کم دکھائی دیتی تھی۔ غالبا کشمیر سے ایک شخص آیا تھا۔ اور اس نے کچھ پڑھا۔ جس پر حضور نے آنکھ اٹھا کر اسے دیکھا۔

ایک شعر پر پسندیدگی کا اظہار:

اسی شب کو یا اس کے بعد دوسری شب کو میں نے ایک قصیدہ پڑھا۔ جس کے دو اشعار یہ ہیں۔

آدم ثانی رسمیٰ مصطفےٰ عیسےٰ مسیح
یوسف مصر امامت مہدی آخر زماں
ذات او واللہ اعلم عالمے در عالمے
قدر او اللہ اکبر آسماں بر آسماں

جب میں اس شعر پر پہنچا۔

خاتم ختم خلافت ازبرائت وا گذاشت
کرد چوں ختم نبوت خاتم پیغمبراں

تو حضرت مسیح موعود نے فرمایا۔ پھر پڑھو۔ چنانچہ دو دفعہ حضور نے یہ شعر مجھ سے پڑھوایا۔
جب میں نے یہ شعر پڑھا۔

آرے آرے حال من مانند بکعب ابن زہیرؓ
آنچہ باوے کرد پیغمبر بکن بامن ہماں

تو اس وقت کسی صاحب نے یہ اعتراض کیا کہ شاعر کہتے کہتے ضد سے بڑھ جاتے ہیں۔ انہوں نے اپنی نسبت کعب بن زہیرؓ سے جاملائی ہے حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا۔ کچھ نسبت ہوا ہی کرتی ہے۔ (نوٹ: یہ قصیدہ الحکم مورخہ ۲۴ جنوری ۱۹۰۱ء کے صفحہ ۱۱ پر درج ہے۔)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بیعت اور دین کو دنیا پر مقدم کرنے کا عہد:

جس دن میں نے یہ قصیدہ پڑھا۔ اس کی دوسری شب کو حضرت صاحب سے ایک مولوی عبد الرحیم صاحب تھے، انہوں نے عرض کیا۔ کہ عبید اللہ کہتا ہے میری بیعت قبول فرمائی جائے۔ حضور اس وقت شہ نشین پر تشریف رکھتے تھے۔ حضرت صاحب نیچے تشریف لے آئے۔ اور بیعت قبول فرمائی۔ توبہ استغفار کے بعد جب حضرت صاحب نے فرمایا۔ کہ میں

حتی المقدور دین کو دنیا پر مقدم رکھوں گا۔ تو میرا بدن لرز گیا۔ میں نے دل میں کہا یہ انوکھی بیعت ہے۔ اور بیعت ہے تو یہ ہے۔ کیونکہ میں اکثر جگہ بیعت کر چکا تھا۔ تو کسی بزرگ نے کہا کہو میں صدق دل سے خاندان نقشبندیہ کی غلامی میں داخل ہو گیا ہوں۔ کسی نے کہا۔ میں خاندان عالیہ قادریہ کی غلامی میں داخل ہو گیا ہوں۔ کسی نے کہا خاندان چشتیہ کی غلامی میں داخل ہو گیا ہوں۔ لیکن یہ جوا میری گردن پر کسی نے نہیں رکھا تھا۔ میرے نفس نے کہا۔ اے بسمل کیا تو یہ بیعت اٹھا سکتا ہے؟ دل نے کہا بہت مشکل ہے۔ لیکن اب ہاتھ کا کھینچنا باعث ندامت ہے۔ رضینا بقضاء الله۔ اقرار کرو کہ ہاں میں ایسا ہی کروں گا۔ بعد بیعت نماز عشاء تک میں خاموش بیٹھا رہا۔ اور دل میں ادھیڑ بن کرتا رہا۔ کہ کیا میں اس بوجھ کو اٹھا سکتا ہوں یا نہیں۔ اذان ہوئی اور نماز پڑھی گئی۔ نماز پڑھنے کے بعد میں نے جناب الٰہی میں دعا کی کہ الٰہی مجھے توفیق عطا فرما کہ اگر اور کچھ نہیں تو میں اس سلسلہ پر ثابت قدم ہی رہوں۔

بشر ذوالوحی:

حضرت صاحب نے اسی تقریر میں جو عصمت انبیاء پر آپ نے فرمائی تھی۔ یہ بھی فرمایا تھا کہ جس طرح حیوان کی جنس سے انسان علیحدہ ہوتا ہے۔ اس تعریف سے کہ حیوان ناطق ہے۔ اور اسکی جنس اور فصل سے تعریف کی جاتی ہے۔ اور ناطق اس کو حیوان سے علیحدہ کرتی ہے۔ اسی طرح انبیاء کرام بشر سے ایک علیحدہ صنف ہیں۔ اور بشر ذوالوحی انبیاء کی تعریف ہے۔ اور بشر ہونے میں وہ بشر کے ساتھ ہیں۔ بشر ان کی جنس ہے اور ذوالوحی فصل ہے۔ ذوالوحی ہونے سے وہ اپنی نوع سے علیحدہ ہو جاتے ہیں۔ اور انبیاء برزخ ہیں درمیان ملائک اور انسانوں کے۔ ان کی بشریت پر عصمت غالب ہوتی ہے۔

تبرک حاصل کرنے کا شوق:

اکثر ہوتا کہ کھانا کھاتے وقت دیدہ و دانستہ میں حضرت اقدس کے بالمقابل بیٹھتا۔اور کھانا کھانے کے وقت میں تبرک حاصل کرنے کے لئے جس رکابی میں میرے سامنے سالن ہوتا۔میں اس میں ہاتھ نہ ڈالتا اور یونہی روٹی کے خالی لقمے منہ میں ڈالتا رہتا۔جب حضرت مسیح موعود علیہ السلام نصف کے قریب کھانا کھا لیتے۔تو میں اپنے سالن کی کٹوری حضرت کے سامنے رکھ دیتا۔اور حضرت کا اُلش آپ کھا لیتا۔حضرت مسیح موعودؑ نے دو ایک دفعہ یہ دیکھ کر میرے اٹھانے سے بیشتر ہی اپنی رکابی میرے آگے رکھ دی۔اور میں نے اپنی رکابی حضرت صاحب کی طرف کر دی۔تین چار دفعہ ایسا ہی ہوا۔اور ساتھ ہی حضرت مسیح موعود علیہ السلام تبسم فرماتے۔

ایک روٹی کے لئے دو دفعہ تنور کے دوزخ میں جھکنا:

ایک دن کچھ کچی روٹی تنور سے آ گئی۔وہ ایک صاحب کے آگے رکھی گئی۔تو انہوں نے کہا کہ حضرت یہ تنور والا بھی کیسا ہے۔کچی روٹیاں بھیج دیتا ہے۔حضرت نے فرمایا۔بے چارے کے حال پر رحم کرو۔دو دفعہ ایک روٹی کی واسطے تنور کے دوزخ میں جھکتا ہے۔حضور کے اس فرمانے سے تمام حاضرین کے دل پر ایک عجیب اثر ہوا۔

پگڑی کی دھجی پھاڑ کر پٹی باندھنے کا اعزاز:

حضرت صاحب کے ساتھ اکثر باہر سیر کو میں جایا کرتا تھا۔اور اکثر رفقاء ساتھ ہوتے تھے۔ایک روز حضرت کے پاؤں میں ایک جوتی تھی۔جس کی ایڑی بیٹھی ہوئی تھی۔اور پنڈلی پر ٹخنے کے قریب دھجی لپٹی ہوئی تھی۔دراصل کوئی پھنسی تھی۔جس پر حضور نے پھاہا لگایا ہوا تھا۔راستے میں اس کا بندھن کھل گیا۔اور وہ لٹکتی ہوئی زمین پر گھسٹتی ہوئی دور تک چلی گئی۔میں دیکھتا تھا۔لیکن مجھ کو جرأت نہیں ہوتی تھی کہ عرض کروں کہ پٹی کھل گئی ہے۔حضور قیام فرمائیں

تو میں باندھ دوں۔لیکن جب دور تک یہی حالت رہی تو میرا دل بے تاب ہو گیا۔ میں نے جرأت کر کے عرض کیا کہ حضرت کی پٹی کھل گئی ہے۔اگر اجازت ہوتو باندھ دوں۔اس وقت حضرت ایستادہ ہو گئے۔جب میں نے پٹی کو ہاتھ لگایا تو وہ نہایت گرد آلود تھی۔میں نے اس کو الگ کر دیا۔جیب میں ہاتھ ڈالا تو رومال نہیں تھا۔میں نے سر کے عمامہ کے شملہ سے جھٹ دھجی پھاڑی۔اور حضرت کے پائے مبارک کو باندھی۔حضرت نے اس وقت دیکھ کر میرے سر پر ہاتھ رکھ دیا۔لیکن زبان سے کچھ نہیں فرمایا۔اور اسی طرح سے باتیں کرتے ہوئے تشریف لے گئے۔

غزل گوئی اور قصیدہ گوئی ترک کرنے کا ارشاد:

میں چند روز یہاں دارالامان میں ٹھہرا۔پھر رخصت طلب کی ۔ارشاد ہوا۔مولوی عبید اللہ تمھاری طبیعت شاعری کی طرف مائل ہے۔غزل گوئی اور قصیدہ گوئی چھوڑ دو۔کوئی مثنوی لکھو۔تمھارا یہی جہاد ہوگا۔نبی کریم ﷺ کے عہد میں شعراء کا جہاد یہی ہوتا تھا۔میں نے اس روز یہ عشق و عاشقی کی غزلیں لکھنی چھوڑ دیں۔اور بعد میں اس ارشاد کی تعمیل میں خاتم النبین اور النص الصریح لکھیں۔

السلام علیک یا رسول اللہ

غرض حضور سے رخصت لے کر لاہور چلا گیا۔چار سال تک لاہور میں ٹھہرا رہا۔اس اثناء میں ایک دفعہ حضور لاہور تشریف لئے گئے۔رات کا وقت تھا۔اسٹیشن پر ہم لوگ جمع تھے۔اور حضور کو احمدیہ بلڈنگ میں لے کر آئے۔حکیم محمد حسین صاحب مرہم عیسیٰ دستی لالٹین لے کر سیڑھیوں کے پاس آئے۔کیونکہ سیڑھیوں کے پاس کسی قدر تاریکی تھی۔میرے کانوں میں اس وقت یہ آواز گونج رہی ہے۔کہ مرہم عیسیٰ صاحب نے کہا۔**السلام علیک یا رسول اللہ** لیکن

شان خدا ہے کہ بعد میں وہ نبوت مسیح موعود کے منکر ہو گئے۔ حضرت صاحب کے متواتر وہاں لیکچر ہوتے رہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے جسم کی مضبوطی:

جس روز حضرت صاحب واپس تشریف لانے کو تھے، لاہور کے پلیٹ فارم پر ایک جگہ کرسی بچھا کر حضرت مسیح موعودؑ کو ٹھہرایا گیا۔ کیونکہ ریل کے چلنے میں ابھی دیر تھی۔ اور ہجوم کثرت سے تھا۔ میں حضرت کی کرسی کے پاس بیٹھ کر حضرت کے پاؤں دبانے لگا۔ دوسری طرف ایک اور شخص تھا۔ اور وہ دوسرے پاؤں کو دبانے لگا۔ لیکن وہ اس زور سے دباتا تھا کہ مجھے حیرت ہوتی تھی۔ اور میں نہایت آہستگی کے ساتھ دباتا تھا۔ میں نے دو ایک دفعہ اس کو اشارہ بھی کیا کہ آہستگی سے دبا۔ مگر وہ اور زور سے دبانے لگ گیا۔ وہ باوجودیکہ نہایت زور سے دباتا تھا۔ حضور کے چہرے پر ملال کے آثار پیدا نہیں ہوتے تھے۔ یہاں تک کہ اس نے ایک دفعہ دونوں ہاتھوں سے پکڑ کر اس زور سے دبایا کہ اس کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ اتنے میں ریل آ گئی اور حضرت صاحب سوار ہو گئے۔ بعد میں وہ مجھ سے ذکر کرنے لگا۔ کہ میں نے زبردست سے زبردست انسان کو دبایا ہے اور وہ ضرور میرے دبانے سے کسمسایا ہے۔ لیکن حضرت کو محسوس تک نہیں ہوا۔ میاں معراج الدین صاحب اس وقت پاس کھڑے تھے۔ انہوں نے کہا کہ آنحضرت ﷺ نے ایک صحابی کی ران پر گھٹنا رکھ دیا تھا۔ تو وہ کہتا تھا کہ قریب ہے میری ران کا گوشت پس جائے۔ سو بھائی ان بزرگوں کا یہی حال ہوتا ہے کسی کی زور آزمائی ان کے جسم پر کام نہیں کرتی۔

دفتر پیسہ اخبار لاہور میں ترجمانی کا کام:

اس چار سال کے عرصہ میں ترجمانی کا کام پیسہ اخبار میں کرتا رہا۔ چنانچہ تاریخ دمشق کا عربی

سے اردو میں ترجمہ کیا، جو چھپ نہ سکا۔ایک شخص ساگر چند نامی بی۔اے سیالکوٹ کا رہنے والا تھا۔اس نے ایم۔اے فارسی کا امتحان دینا تھا۔ٹیچر کی تلاش میں منشی محبوب عالم صاحب پیسہ اخبار کے ایڈیٹر سے ملا اور ذکر کیا کہ کوئی شخص مجھے ایسا نہیں ملتا۔ جو مجھ کو دیوان خاقانی پڑھادے۔انہوں نے میرا نام لیا اور مجھے بلا کر ۴۰ روپے پر فیصلہ ہوا۔خرچ خوراک اس کے ذمے۔میں اس کے ساتھ سیالکوٹ چلا گیا۔چونکہ میری ملاقات سر اقبال کے ساتھ تھی۔سر اقبال کے مکان پر ہی ٹھہرا۔مولوی میر حسن صاحب پروفیسر سیالکوٹ کالج میرے ملنے کے واسطے تشریف لائے۔سر اقبال نے چونکہ لاہور کی طرف آنا تھا۔اس لئے میر حسن صاحب جو سر اقبال کے استاد تھے۔مجھ کو اپنی کوٹھی پر لے گئے۔لوگ کہتے تھے کہ وہ احمدی سلسلہ کے بڑے مخالف تھے۔لیکن انہوں نے میرے سامنے کبھی مخالفت ظاہر نہیں کی۔چونکہ مجھ کو حقہ کی عادت تھی۔بسا اوقات میرے حقہ کے لئے خود آگ لایا کرتے تھے۔میں ہر چند کہتا کہ مولوی صاحب آپ بزرگ ہو کر مجھے مجوب کرتے ہیں۔مگر وہ کہتے کہ میں تمھارے پڑھانے کو یہاں کھڑے ہو کر کھڑکی کے پاس دیر تک سنتا رہتا ہوں۔تم خاقانی کے اشعار کو خوب حل کرتے ہو۔تین مہینے تک میں وہیں رہا۔اور ساگر چند کو دیوان خاقانی کا کچھ حصہ پڑھا کر پھر لاہور آ گیا۔

قادیان میں تیسری بار آمد:

چندروز ہوئے تھے کہ منشی محمد صادق صاحب کا نوازشنامہ مجھ کو ملا۔کہ جو کچھ بھی تمھارے پاس اسناد ہوں وہ لے کر دارالامان پہنچ جاؤ۔میں اس خط کے دوسرے یا تیسرے دن بعد وہاں سے روانہ ہو گیا۔اور رات کو بٹالے ٹھہر کر صبح پیادہ پا دارالامان میں آیا۔پیچھے سے مفتی صاحب یکہ میں بیٹھے ہوئے آ رہے تھے۔نصف راہ میں طے کر چکا تھا۔کہ مجھ کو انہوں نے اپنے یکے

پر بٹھا لیا۔ یہاں پہنچے۔اور میں نے دیکھا کہ بہ نسبت سابق اب خوب چہل پہل ہے۔مفتی صاحب نے مجھ کو مدرسے میں ٹھہرایا۔اور کہا کہ ابھی حضرت صاحب کے برآمد ہونے میں دیر ہے۔ذرا ٹھہر جاؤ۔اکٹھے چلیں گے۔مفتی صاحب چائے کی پیالی ہاتھ میں لئے ہوئے میرے لئے لائے۔اور حضرت نواب محمد علی خان صاحب کے پاس لے گئے۔میرے کاغذات جن میں مسدس مدوجزر اسلام اور مراۃ الاسلام بھی تھی،نواب صاحب کے سامنے پیش کئے۔غالباً اس وقت نواب صاحب مدرسہ کے ڈائرکٹر تھے۔اور مفتی صاحب ہیڈ ماسٹر اور مولوی شیر علی صاحب تعلیم الاسلام کالج کے پرنسپل ۔نواب صاحب نے بعد ملاحظہ کاغذات پانچ روپے نکال کر مجھ کو دئے کہ جا کر اپنے اہل وعیال کو ساتھ لے آؤ۔میں واپس چلا گیا اور بال بچوں کو لے کر قادیان آ گیا۔سید محمد علی شاہ صاحب کے مکان کو پہلے ہی کرایہ پر لے گیا تھا،اس میں فروکش ہوا۔اور مجھ کو تعلیم الاسلام کالج کی پرشین پروفیسری کا کام کرنا پڑا۔مجھ سے پہلے مولوی مبارک علی صاحب سیالکوٹی پڑھایا کرتے تھے۔وہ ملازمت چھوڑ کر دارالامان سے چلے گئے تھے۔

نبوت حضرت مسیح موعودؑ کے متعلق ایک عجیب واقعہ:

اس وقت چار لڑکے کالج میں تعلیم پاتے تھے۔ایک ان میں سے تونسے کا رہنے والا تھا۔وہ دراصل مولوی ثناء اللہ کا ملنے والا تھا۔ایک دن میری اس سے گفتگو ہوئی۔مجھ کو کہنے لگا کہ حضرت مرزا صاحب نے نبوت کا دعوی کیا ہے۔تمھارا اس کے متعلق کیا خیال ہے۔میں نے اس خیال سے کہ مباحثہ چھڑ جائے گا۔اس سے کہا کہ مجھے ابھی اس میں شرح صدر نہیں۔میں یہ تو جانتا ہوں کہ جس کے ہاتھ پر میں نے بیعت کی ہے۔وہ صادق ہے۔لیکن یہ مسئلہ نازک ہے،میں اس پر اچھی طرح سے گفتگو نہیں کر سکتا۔چند دنوں کے بعد ایف ۔اے کا امتحان

شروع ہو گیا۔اور وہ طالب علم سب امتحان دینے کو چلے گئے۔اوربیل صاحب نے یہ حجّت نکالی۔کہ ایک لاکھ روپیہ نقد جمع ہوتو تو پھر میں کالج کی اجازت دے سکتا ہوں۔اس واسطے ناچار کالج کوتوڑنا پڑا۔ان چاروں میں سے تین پاس ہو گئے۔اورتونسے والا فیل ہو گیا۔اس نے امرتسر میں جا کر مولوی ثناء اللہ سے بیان کیا۔کہ مولوی عبیداللہ کو میں نے وہاں مذبذب پایا ہے۔مولوی ثناءاللہ نے پرچہ اہل حدیث میں لکھ مارا۔کہ جب وہ مذبذب ہیں تو دارالامان میں کیوں ٹھہرے ہیں، چلے کیوں نہیں آتے۔میں اس وقت کالج ٹوٹنے کے بعد ہائی سکول میں فارسی پڑھایا کرتا تھا۔ایک روز مدرسہ کے کھلتے ہی مولانا مولوی محمد علی صاحب امیر جماعت غیر مبایعین تشریف لائے اور مجھ کو علیحدہ لے جا کر فرمانے لگے۔کہ یہاں ایک طالب علم نے آپ کے کچھ حالات مولوی ثناءاللہ سے بیان کئے ہیں۔اوراس نے اہلحدیث میں لکھا ہے کہ مولوی عبیداللہ مذبذب ہے یہ کیا بات ہے مجھے یاد آ گیا۔کہ اس شخص نے مجھ سے حضرت اقدس کی نبوت کے بارے میں پوچھا تھا۔تو میں نے اس کا یہ جواب دیا۔کہ میں ابھی شرح صدر سے اس پر گفتگو نہیں کرسکتا۔چنانچہ یہ بات میں نے مولوی محمد علی صاحب کو بتا دی۔فرمانے لگےتم نے مولوی صاحب (حضرت خلیفہ اولؓ) سے کیوں نہیں پوچھا۔اورتم نے ایسا اظہار کیوں کیا۔اگر تمھیں معلوم نہیں تھا تو مولوی سرور شاہ صاحب کے پاس لے گئے ہوتے کہ اس کی تسلی کر دیتے۔میں نے کہا کہ میں نے اس کو سرسری خیال کیا تھا۔کوئی اہم بات سمجھتا تو مولوی سید سرور شاہ صاحب کی خدمت میں پیش کرتا۔فرمانے لگےآئندہ احتیاط رکھو۔ایسے الفاظ سے تفرقہ پیدا ہوتا ہے۔اوراگر حضرت کی نبوت میں تمھیں کچھ شک وشبہ ہے تو حضرت مولوی صاحب (خلیفہ اولؓ) سے اپنی تسلی کرلو۔

انہی دنوں مولوی محمد احسن صاحب امروہے سے تشریف لائے۔میری ان سے گہری ملاقات

ہوگئی۔وہ اکثر غریب خانہ پرتشریف لاتے اور گھنٹوں بیٹھے رہتے تھے۔ایک روز کچھ کبیدہ خاطر تھے۔میں نے کہا خیر باشد کہنے لگے ہاں خیر ہے ۔آج حضرت اقدس کے مواجہ میں مولوی عبد الکریم صاحب سے کچھ سخت گفتگو ہو گئی ہے۔ میں عرض کیا کیا ہوا۔فرمانے لگے۔میں نے حسب الاشاد حضرت مسیح موعودؑ پیر گولڑوی کی ایک کتاب کے ردّ کا مسودہ حضور کے سامنے پیش کیا۔مولوی عبد الکریم صاحب کو معقول میں دسترس نہیں۔اس پر اعتراض کرنے لگے کہ یہ عام فہم نہیں ملایانہ عبارت ہے۔میں نے کہا آپ نے سمجھا نہیں ہے۔اس پر گفتگو شروع ہوگئی۔اوراونچے اونچے باتیں ہونے لگیں۔حضرت سنتے رہے۔آخر میں جب ہماری آوازیں اونچی ہوئیں۔تو حضرت صاحب نے فرمایا۔**لا ترفعوا اصوا تکم فوق صوت النبی** پھرمیں نے عرض کیا کہ اس نبوت کے مسئلہ کی نسبت چندروز ہوئے ہیں۔کہ میری نسبت مولوی ثناءاللہ نے میرے اس کہنے پر کہ مجھے ابھی شرح صدر نہیں لکھ مارا ہے کہ وہ ابھی مذبذب ہیں۔کہنے لگے کیا تمھیں اس میں کچھ تردد ہے۔میں نے کہا کسی قدر ہے۔بالتفصیل یہ عقیدہ مجھ پر ابھی کھلا نہیں۔انہوں نے مجمع البحار کے تکملہ سے **قولو اخاتم النبین ولا تقولوا لانبی بعدہ** ۔حضرت عائشہؓ کا اثر نکال کر دکھلایا۔سبحان اللہ مولوی محمد علی صاحب آج منکر نبوت ۔مولوی محمد احسن صاحب امروہی اور مرہم عیسیٰ صاحب بھی بعد میں منکر نبوت ہوئے۔مگر بندہ حضرت مسیح موعودؑ کی نبوت کا مضبوطی سے قائل ہے۔**وذالک فضل اللہ یو تیہ من یشاء.**

درخواست دعا پرارشاد:

قادیان میں ایک دفعہ میرالڑکا جس کا نام عنایت اللہ تھا، بیمار ہوگیا۔وہ دن وبائے طاعون کے تھے۔اور ابھی حضرت اقدس کے گھر لوگوں کی آمد ورفت جاری تھی۔امتناعی حکم صادر نہیں

ہوا تھا۔ میری بیوی روتی ہوئی حضرت اقدس کی خدمت میں پہنچی اور نہایت عاجزی سے عرض کرنے لگی۔ حضور دعا فرمائیں کہ میرا لڑکا ہلاکت سے بچ جائے۔ حضرت اس کی گریہ وزاری دیکھ کر بیٹھ گئے اور دعا فرمانے لگے۔ بعد دعا کے ارشاد فرمایا۔ کہ مجھ سے دعا نہ کراتی تو اچھا تھا۔ میری بیوی نے کہا حضرت کیا ہلاک ہو جائے گا۔ فرمایا نہیں ہلاکت سے تو بچ جائے گا۔ اس نے مجھے آ کر کہا کہ حضرت صاحب نے فرمایا ہے۔ دعا نہ کراتی تو بہتر تھا۔ میں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔ حضرت صاحب نے یہ کیوں فرمایا ہے۔ مگر ہے خطرناک۔ بعد مدت کے جب حضرت کا انتقال ہو گیا۔ اور حضرت خلیفہ اولؓ بھی انتقال فرما چکے۔ اور وہ بیوی بھی مر گئی۔ تو حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کے عہد میں وہ میرا منجھلا لڑکا نہایت بدمعاش نکلا۔ اس نے قادیان میں بھی سخت شرارت کی جس کی وجہ سے اس کو جماعت سے نکالنے کا حکم ہوا۔ پھر وہ پیغامی ہو گیا اور بعد میں عیسائی ہو گیا۔ جب میں اس کی شرارتیں دیکھتا تو میرے منہ سے بارہا نکلتا کہ یہ اسی وقت ہلاک ہو جاتا تو بہتر تھا۔

وفات:

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کے یہ صحابی اور فارسی زبان وادب کے جیّد عالم ۲۹ ستمبر ۱۹۳۸ء کو بعمر سو سال کراچی میں اس دارِ فانی سے کوچ کر گئے۔ **انا اللہ وانا الیہ راجعون**

(بحوالہ تاریخ احمدیت کراچی)

☆حضرت مولانا عبید اللہ صاحب بسمل کی شاعری:

(جناب شیخ محمد احمد صاحب مظہر ایڈووکیٹ لائلپور)

نوٹ: یہ مضمون مجلس فارسی تعلیم الاسلام کالج ربوہ میں پڑھا گیا۔

مجھے اس بات سے بہت خوشی ہوئی کہ ہمارے کالج نے مجلس فارسی قائم کی ہے ۔جو غالباً دوسرے کالجوں سے ایک مزید امتیاز ہے۔دراصل اس مجلس کا قیام گویا چپ کی داد ہے۔کیونکہ موجودہ ماحول میں ہمارے ملک کے اندر فارسی زبان بے اعتنائی اور غفلت کا شکار ہو رہی ہے علمی قدریں بدل رہی ہیں۔مادیت کا دور دورہ ہے۔اور تو جہات دوسری طرف پھر رہی ہیں۔بہت کم اشخاص ہیں جن کو فارسی زبان سے لگاؤ باقی رہا ہو۔گنتی کے چند ایسے آدمی ہوں گے۔ورنہ فارسی زبان عموماً متروک ومہجور ہو رہی ہے۔جو علمی دنیا کا بہت بڑا نقصان ہے۔لیکن اس کے باوجود واقعہ یہ ہے کہ فارسی زبان کی قدر و قیمت اور اس کی ضرورت اور اہمیت کم نہیں ہوسکتی۔ہمارا کثیر اسلامی لٹریچر فارسی میں ہے۔اور اردو زبان پر بھی پوری قدرت حاصل نہیں ہوسکتی جب تک فارسی زبان سے آگاہی نہ ہو۔الا ماشاءاللہ

فارسی بہت شریں، بہت سہل اور اس کی گرامر غالباً سب زبانوں کی گرامر سے آسان ہے۔ان وجوہات سے اس زبان کے لٹریچر کو بہت اعلیٰ پایہ حاصل ہے۔

عربی زبان چونکہ تمام زبانوں کی ماں ہے اس لئے فارسی زبان کی خوبیاں بھی عربی کی طرف ہی منسوب ہوتی ہیں۔ **کل شیءٍ یرجع الیٰ اصلہ**

یہ بھی یاد رکھیں کہ جب آپ فارغ التحصیل ہو کر زندگی کے مختلف شعبوں میں داخل ہونگے تو پاکستان میں بالعموم آپ کو اردو زبان سے واسطہ پڑے گا۔اور فارسی کا علم یقیناً ایک امتیاز اور

☆:الفرقان نومبر ۱۹۵۷ء

برتری کا موجب ہوگا۔اگر فارسی زبان سے ناواقفیت ہوگی تو تحریر وتقریر میں کمتری کا احساس باقی رہے گا۔اوراس کے برعکس فارسی زبان کا علم آپ کی تحریر وتقریر میں دلکشی کا موجب ہوگا۔ ہماری جماعت بھی فارسی زبان کو نظر انداز نہیں کرسکتی۔کیونکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تصانیف میں عربی اور فارسی دونوں زبانوں کا امتزاج شیر وشکر کی طرح ہے۔اور درثمین فارسی حضورؑ کا وہ اعلیٰ کلام ہے جس کو سمجھنا اور پڑھنا ہر احمدی کے لئے ضروری ہے۔

ان وجوہات کے پیش نظر میں نے مجلس فارسی کی دعوت کو شکریہ کے ساتھ قبول کیا تا کہ اپنے خیالات کا اظہار کرسکوں۔

مجھے فرمایا گیا تھا کہ غالب یا عمر خیام کے فارسی کلام کے متعلق کچھ بیان کروں۔لیکن یہ مضمون اگر فرسودہ نہیں تو کم از کم عام اور متداول ہو چکا ہے۔اس لئے میں نے مناسب سمجھا کہ اس کی بجائے مولانا بسمل کے کلام کے متعلق بعض خیالات پیش کروں۔اور کتاب کی بات کہنے کی بجائے آنکھوں دیکھی اور تجربہ میں آئی ہوئی بات سناؤں۔ **ولیس الخبر کا لمعا ئنة**

گو ہندوستان کا اہل علم طبقہ بسمل کے علم وفضل اور شاعری کا قائل ہے۔لیکن ایک عام آدمی کے نزدیک فارسی زبان کی نا قدری کی وجہ سے یہ آفتاب علم وفضل بادلوں کے پیچھے چھپا ہوا ہے۔اس لئے اس بھولے بسرے مضمون کو میں تازہ کرنا چاہتا ہوں۔اور بسمل کے کلام اور سیرت کا ایک ورق اس مضمون میں پیش کروں گا۔

والدین نے آپ کا نام عباد اللہ رکھا تھا۔مگر آپ کے استاد نے اسے غلط قرار دیکر عبید اللہ نام تجویز کیا۔بسمل آپ کا تخلص تھا۔والد کا نام مظہر جمال۔جوایک صاحب ارشاد بزرگ تھے۔

مولانا بسمل کی پیدائش ۱۸۳۹ء کے قریب معلوم ہوتی ہے جبکہ اس ملک میں فارسی اور عربی کا چرچا تھا۔اور یہ زبانیں علم وفضل کا سرمایہ تھیں اور انگریزی زبان ابھی نو وارد ہی تھی۔

حلیہ:

قد چھوٹا۔ چہرہ متین اور دلکش، داڑھی گھنی اور باز یب، آنکھیں روشن اور جھکی ہوئی، آواز نرم اور شیریں، بات بات میں انکسار۔

خداوند علم و خداوند شرم؛ سخن گفتن خوب و آدائے نرم

ذریعہ معاش طبابت یا علمی کاموں میں ملازمت ۔وطن دھرم کوٹ ضلع گورداسپور۔ پھر امرتسر، لاہور، بمبئی۔ بھوپال، رامپور وغیرہ میں آپ سکونت پذیر رہے۔

آپ کے رشتہ دار بڑے بڑے عہدیدار اور امیر کبیر۔ مگر بسمل ان سب سے بے نیاز اور در مولا کے فقیر۔ خدا تعالیٰ سے عرض کرتے ہیں۔

باتو گر دست میدہد خویشی
پادشاہی کنم بدرویشی

یعنی اگر خدا تعالیٰ سے تعلق قائم ہو جائے تو درویشی بادشاہی سے بہتر ہے

آپ نے بمبئی میں ایرانیوں سے فارسی سیکھی اور کئی شہروں میں متعدد اساتذہ سے فارسی اور عربی ادب اور علم طب کی تکمیل کی۔ اور پھر رامپور، بھوپال اور حیدر آباد دکن میں کتب خانوں کے مہتمم مقرر رہے۔ آپ کی تصانیف سے معلوم ہوتا ہے کہ گویا لائبریریاں اپنے سینے کے اندر ڈال لی ہیں اور آپ چلتی پھرتی انسائیکلو پیڈیا ہیں۔ علم مناظرہ، منطق، فلسفہ، فارسی اور عربی ادب، دنیا کے مذاہب کی تاریخ سب پر عبور حاصل کیا۔ شاعری کی لیکن وہ شاعری نہیں جسے حق تعالیٰ فی کل واد یھیمون قرار دیتا ہے۔ بلکہ وہ شاعری جسے اس علام الغیوب نے الا الذین امنوا کے استشناء سے نوازا ہے۔

کشمیر میں ایک شخص بڑے علامہ ہوئے ہیں۔ جن کا تخلص شعری تھا۔ علم شعر میں بسمل نے ان کی

شاگردی اختیار کی۔فرماتے ہیں۔

بود در شعر شعریٔ کشمیر خضر رہ رہنما و رہبر و پیر
لیک کردم براہ کج رفتار ننگ استاد گشتم آخر کار

آپ کی علمی فضیلت کی بابت چند باتیں یادگار ہیں۔

اول: آپ پہلے سنی تھے۔ پھر شیعہ ہوئے۔لیکن کامل تحقیق کرنے کے بعد حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بیعت میں داخل ہوئے اور حضورؑ کے سامنے اپنے اخلاص کے اظہار میں ایک نظم پیش کی۔ جسے سن کو حضورؑ نے آپ کے کلام کو فردوسی کا ہمرنگ قرار دیا۔بسمل اس واقعہ کے متعلق فرماتے ہیں۔

از مسیح اللہ گشتم فیضیاب
یافتم فردوسی ثانی خطاب

ضمناً یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ بسمل ایسے فاضل محقق کا احمدیت میں داخل ہونا بجائے خود احمدیت کی صداقت کے ثبوتوں میں سے ہے۔

دوم: حضرت خلیفۃ المسیح اولؓ کا قول ہے کہ عبیداللہ فارسی زبان کا بےنظیر عالم ہے۔

سوم: اہل ایران اہل ہند کی شاعری کے قائل نہیں ہوا کرتے۔جس طرح کہ لکھنو اور دلی والے اہل پنجاب کی اردو دانی کے قائل نہیں ہوتے۔علی حزین کے متعلق مشہور ہے کہ جب ان کے پاس مثنوی غنیمت کا ذکر ہوا تو انہوں نے کہا۔

غنیمت از پوچ گویان ہند غنیمت است

غرضیکہ اہل ایران اہل ہند کی فارسی اوران کی شاعری کو مستند نہیں جانتے۔لیکن ایران کا ملک الشعراء سنجر جب ہندوستان آیا تو مولانا بسمل کی شاعری کا ڈنکا بج رہا تھا۔اس لئے سنجر اور بسمل

میں ملاقات ہوئی۔اور بسمل کے کلام کو دیکھ کر وہ بے اختیار کہہ اٹھا۔

واللہ من بہتراز وبتوانم گفت

اور سنجر نے جو کچھ کہا سچ کہا۔بسمل کی تصانیف موجود ہیں۔آپ شروع سے آخر تک مطالعہ کر جائیں کہیں کوئی لفظ،محاورہ اور بندش غیر ایرانی نظر نہیں آئے گی۔اور یہ وہ کمال ہے جو کم کسی ہندی کو نصیب ہوا ہے۔

خاکسار کے ایک استاد تھے۔ بڑے فاضل اور شاعر۔ وہ یہ مانتے ہی نہیں تھے کہ بسمل ہندی ہے۔اور مجھ سے بحث کرتے تھے کہ عبیداللہ بسمل تو ایرانی شاعر ہے۔اور کہتے کہ میں نے ان کا کلام دیکھا ہوا ہے ہندی کبھی ایسا نہیں کہہ سکتا۔

اس خصوصیت کے علاوہ آپ کے کلام کی چند خصوصیات یہ ہیں۔

اول:شعراءخصوصا فارسی شعراءاپنے مفاخر بیان کرنے اوراپنی علمی برتری کا ذکر کرنے کو جائز سمجھتے ہیں۔اور **یجوز للشاعر مالا یجوز لغیرہ** اس کی سند میں پیش کرتے ہیں۔عرفی کے قصائداپنے ذاتی مفاخر میں آپ نے شاید دیکھے ہوں۔یہی حال باقی شعراء کا ہے۔

لیکن اس کے بالکل برعکس بسمل کا کلام اول سے آخر تک خود ستائی سے پاک ہے۔ ہزاروں اشعار میں کہیں ایک شعر بھی نہیں ملے گا۔ جہاں آپ نے کوئی فخر یہ بات کہی ہو۔یہی نہیں بلکہ اس کے بالکل خلاف آپ کے اشعار میں عجز والحاح،آہ وبکا۔خود شکنی اور نفس کشی اور اپنی ہیچ مدانی اور ہیچ میرزی کا اعتراف جا بجا نظر آئے گا۔

ناموں نامدار بدنامم ہر قدر پختہ آں قدر خامم

اور آپ ان کو ایک بالکل جداگانہ روش پر گامزن دیکھیں گے۔اخلاقی اعتبار سے یہ بہت ہی پیاری اور دلربا شعر گوئی آپ کو نظر آئے گی۔انسان بناوٹ سے بھی منکسر المزاج بن سکتا

ہے۔لیکن یہاں یہ بات نہیں بلکہ ان کا انکسار طبعی اور جبلی ہے۔مثلاً قصیدہ میں کہتے ہیں۔

خویش رادر یثرب از ہندوستان آوردہ ام دوزخے رادر بہشت جاوداں آوردہ ام

زرد روئی از ندامت رو سیاہی از گناہ طبلۂ مشک و نہ تنگ زعفران آواردہ ام

جرم بیروں از حساب وفسق افزوں از شمار آنچہ کس نادر دبدر گاہ تو آں آوردہ ام

خام طبعے سست خوئے اجر جوئے بے عمل خود غرض مبرم گدائے ناتواں آوردہ ام

اسی قسم کے سینکڑوں اشعار خود بینی کی بجائے خود شکنی کے متعلق آپ کو ملیں گے۔

دوم: جیسا کہ اوپر ذکر ہوا۔کثرت مطالعہ کی وجہ سے آپ کی نظر مذاہب عالم پر بسیط تھی۔اور عربی اور فارسی علم ادب اور تاریخ پر عبور حاصل تھا۔اس لئے آپ کے کلام میں جابجا تاریخی واقعات اور تلمیحات پائی جاتی ہیں۔

سوم: بہت کم لوگ ہوتے ہیں جو عربی اور فارسی دونوں زبانوں پر قدرت رکھتے ہوں۔لیکن بسمل جب فارسی شعر لکھتے ہیں۔اور طبیعت کا رُخ پلٹتا ہے تو اسی زمین میں عربی اشعار بھی بے تکلف کہہ جاتے ہیں۔

چہارم: بعض دفعہ آپ کی منطقی گرفت بہت سخت ہوتی ہے مثلاً بعض لوگ حضرت علی کو نعوذ باللہ خدا کا درجہ دیتے ہیں۔اور علی اللھم کہلاتے ہیں۔

بسمل فرماتے ہیں۔

:1

پور بو طالب از خدا باشد ابن ملجم بگو چہا باشد

ب: اسی طرح بہائی لوگ بہاء اللہ کو خدا مانتے ہیں۔

بسمل فرماتے ہیں

تو بہارا اگر خدا دانی ناصر الدین چہار خوانی

کیونکہ ناصرالدین شاہ ایران نے بہاءاللہ کوقید و بند میں ڈال دیا تھا۔

ج: احمدیوں کولوگ طنزاً میرزائی کہتے ہیں اور میرزادراصل سردارزادہ کو کہتے ہیں۔اس لئے بسمل اس لفظ کی حسن تعلیل میں فرماتے ہیں۔

در غلامی میرزائی نام یافت بند گیش خوا جگی انعام یافت

یعنی مسیح موعود علیہ السلام کی غلامی اور خدمت گری کے طفیل غلام ہوکرامیر وسردار کہلاتا ہوں۔

د: عیسائیت رہبانیت سکھاتی ہےاور اسلام اہلی اور تمدنی زندگی کی تعلیم دیتا ہے۔فرماتے ہیں۔

گفت عیسےٰ زخانہ دل بردار گفت احمد بہ خانہ دلبردار

ہ: ایک شاعر نے احمدیت کے خلاف بہت کچھ زہر اگلا۔بسمل نے جواباً ایک قطعہ لکھا۔اور ایک ایسا استادی کا ہاتھ مارا کہ باید وشاید۔

عریدہ باہوشیاراں از تنگ ظرفی بود بدادا بدنام کردی بادہ را ہشیار باش

و: احرار کی شورش کے زمانے میں ۱۹۳۷ء کے قریب آپ نے تقریباً ڈیڑھ صد اشعار کی ایک نظم لکھی۔اور فرمایا۔

زمرہ احرار راد رد مسلمانی کجاست ہست عنقادرمیاںِ شاں نشان اہل درد

زیرپالرزد زمیں بالائے سرلرزد فلک چوں دمدصور قیامت زا فغان اہل درد

ز: خدمت اسلام کی ضرورت کے متعلق فرماتے ہیں۔

شیخ قوم از خادم اسلام نیست خنجر چوبیں است اوصمصام نیست

طریق اصلاح شعر:

آپ اپنے شاگردوں کا پورا اکرام بلکہ احترام فرماتے تھے۔چونکہ طبیعت میں عجز وانکسار رچا

ہوا تھا۔ اس لئے شعر کی اصلاح میں بھی یہ بات نمایاں تھی۔ مثلاً غلط لفظ کو قلمزد نہیں فرماتے تھے۔ بلکہ حاشیہ پر صحیح لفظ لکھتے اور فرماتے۔ مشورہ عرض ہے نفسیاتی اعتبار سے اس میں شاگرد کی کس قدر دلداری اور حوصلہ افزائی ہے۔ کہ اصلاح دہندہ کا یہ نقطہ نظر ہے کہ اس کے نزدیک حاشیہ پر لکھا ہوا لفظ بہتر ہے۔ گو اسے اس پر نازیا اصرار نہیں۔ یہ نہایت دلربا اور نیک طریق تھا۔

دوم: جو شعر عمدہ ہوتا اس کے کنارے پر ایک صاد لکھتے۔ اگر بہتر ہو تو دو صاد اور اگر شعر بہترین ہو تو تین صاد اور اگر شعر ہر لحاظ سے مکمل اور مضمون کو ختم کرنے والا ہو تو چار صاد لکھتے۔ اور بس۔

سوم: استادوں کی بابت سنتے ہیں کہ نقطے شعشے کی کمی بیشی سے کہیں کا کہیں پہنچا دیتے ہیں۔ اور دراصل یہ فن شعر اور زبان پر قدرت کا کمال ہوتا ہے۔ مثلاً مصرعہ تھا۔

دروغے چو کوہ ہمالہ بزرگ

تو آپ نے اصلاح دی

دروغے ز کوہ ہمالہ بزرگ

ظاہر ہے کہ چو کی بجائے ز کے لفظ نے مضمون کو کہیں کا کہیں پہنچا دیا۔ شعر تھا۔

کہ یک بیذ تے رشک فر زیں بود جھولے بہ بیں مفتی دیں بود

اب ظاہر ہے کہ بہ بیں محض حشو ہے۔ آپ نے بہیں کو یک شعشہ دیکر بہیں بنا دیا اور مصرعہ یوں بن گیا۔

جھولے بہیں مفتی دیں بود

یعنی پرلے درجے کا جاہل پرلے درجے کا مفتی بن بیٹھا ہے۔ ظاہر ہے کہ حشو نکل گیا اور

مضمون مکمل ہوگیا۔

چہارم:

اصلاح کر کے جب نظم دیتے تو بڑے ادب سے دو ہاتھوں پر رکھ کر کھڑے ہو کر پیش کرتے۔ کہ لیجئیے یہ مشورہ عرض ہے۔آپ کی یہ انکساری دلوں کو موہ لینے والی تھی۔دل اس کا احساس رکھتا ہے لیکن زبان قلم اس کو پورے طور پر ادا نہیں کر سکتی۔

سیرت:

آپ کی سیرت کا نمایاں اور ممتاز پہلو جو آپ کی عملی زندگی میں اور تصانیف میں ابھرا ہوا نظر آتا ہے، یہ ہے:۔

اول: اگر آپ بسمل کے ساتھ رہیں تو ان کی کسی بات سے ان کی علمی فضیلت کا پتہ آپ کو نہ مل سکے گا۔اہل محلّہ بھی اس بات سے ناواقف تھے کہ ہمارے پڑوس میں ایک بے نظیر شاعر اور متبحر عالم بستا ہے۔وجہ یہ کہ آپ کو نمائش اور ریا سے بے حد نفرت تھی۔

بے تکلف ،بے ریا،بے نفس ،بے خود ،بے غرض
مہر بانے ،دلنوازے، دوستدارے ایں چنیں
چشم من بسیا گردیداست و کم کم دیدہ است
ایں قدر عالی و قارے،خاکسارے ایں چنیں
درہمہ عالم نہ بنی جُزبہ خا صان خدا
با چنیں طبعے بلندے انکسارے ایں چنیں

دوم: دراصل اس قسم کا انکسار کامل علمی دستگاہ کے بعد حاصل ہوتا ہے۔ورنہ کم ظرف آدمی

تھوڑے سے علم پر غرہ ہو جاتا ہے اور یہ بات ترقی اور حصول کمال کے راستے میں بجائے خود روک بن جاتی ہے کسی نے سچ کہا ہے۔

فروتنی است دلیل رسیدگان کمال

کہ چوں سوار بہ منزل رسد پیادہ شود

اور جیسا کہ اوپر ذکر ہوا۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کے کلام میں کہیں کوئی فخر کا اظہار نام کو بھی نہیں ملتا۔

سوم: شاعری کو لوگ ذریعہ شکم پروری بناتے ہیں۔ کسی نے کہا ہے۔

سہ چیز رسم بود شاعر ان طامع را

یکے مدیح و دوم قطعۂ تقا ضائی

اگر بداو سوم شکرو رنہ داد ہجا

من ایں دو گفتہ ام اکنوں دگرچہ فرمائی

یعنی شاعر کا قاعدہ ہے کہ قصیدہ لکھے۔ انعام نہ ملے تو تقاضا کے لئے قطعہ لکھے۔ کچھ مل گیا تو شکر ورنہ ہجو لکھنے سے شاعر نہیں چوکتا۔

آپ کا ذریعہ معاش طبابت یا ملازمت رہا۔ اس لئے آپ نے شعر سے کبھی کوئی نفع حاصل کیا نہ ہی تصانیف سے کوئی فائدہ اٹھایا۔ بلکہ اکثر کتابیں چھپوا کر مفت بانٹ دیتے باوجود کہ آپکی مالی حالت اچھی نہ تھی۔ القصہ علم کے لئے علم کی خدمت کرتے تھے نہ کہ کسی جلب منفعت کے لئے۔

آپ کی تصانیف:

آپ کی تصانیف دس کے قریب ہیں۔

اول: فارسی بول چال ۔ یہ کتاب سکول کے مبتدیوں کے لئے آپ نے لکھی اور بلوچستان کے سکولوں میں عرصہ تک یہ کتاب ٹیکسٹ بک رہی۔

دوم۔ترجمان پارسی: یہ بھی فارسی زبان کے قواعد اور آداب سکھانے کے لئے ایک بہت مفید کتاب ہے جس پر یونیورسٹی نے ۳۰۰ روپیہ آپ کو انعام دیا۔اور اس کے بعض حصے فارسی کے کورسوں میں داخل ہوئے۔یعنی سرمایہ خرد۔پیرایہ خرد وغیرہ ہیں۔

سوم۔ارجح المطالب: حضرت علیؓ کی سوانح حیات اور مناقب میں ایک بے نظیر کتاب ہے۔شیعہ ہونے کی حالت میں آپ نے یہ کتاب لکھی اور ہندوستان بھر میں اس کتاب کی وجہ سے منصف کی شہرت کو چار چاند لگ گئے۔دیکھنے والی بات یہ ہے کہ ایسا فدائی شیعہ کامل تحقیق کے بعد احمدی ہو گیا اور لوگوں کی حیرت کی انتہا نہ رہی کہ ارجح المطالب کا مؤلف ہو اور احمدی ہو جائے اور رامپور کے لوگوں کے ظلم وستم کو بخوشی برداشت کر لے۔

آپ خود فرماتے ہیں۔

مے کشیدم من از بزہ کاری
پیش چشم جہانیاں خواری
جذب روح القدس مرانا گاہ
موکشاں برد سوئے روح اللہ
گشتم از کار بخت خود بس شاد
کہ بدست مسیح دستم داد

چہارم۔مسدس مدّ وجذر اسلام ۱۹۰۱ء میں طبع ہوئی۔ یہ وہ زمانہ ہے جب مسدس حالی کی اشاعت ہوئی اور مسلمانوں کے عروج کے بعد ان کے زوال کا نوحہ حالی نے پڑھا۔
اسی مضمون پر فارسی میں بسمل نے قلم اٹھایا۔اور حق بات یہ ہے کہ اس مضمون کا پورا حق ادا کیا۔
اس مسدس کے ۱۳۶ بند یعنی ۸۰۴ اشعار ہیں۔ ہر شعر بے بدل ہے۔طرز کلام یہ ہے۔

یا د ایا مے کہ قلزم تن بہ طوفاں دادہ بود
زورق روما بگرداب بلا افتادہ بود
ہم جہاز اہل جرمن بر کنار استادہ بود
تا گریک از خود خبر گیرد بغرق آمادہ بود
حسبنا اللہ گفتہ ماکشتی بآب اندا ختیم
حسبۃ للہ بکار ایں وآں پرداختیم

یہ تو اس مسدس کا پہلا بند ہے۔مسلمانوں کے عروج کا نقشہ ایک بند میں یوں کھینچا ہے۔

بزم مادر بلخ بود و رزم مادر خاوراں
تاج ما در مصر بود و تخت ما در اصفہاں
پیل ما در ہند بود ورخش ما در سیستان
تیغ ماور سند بودنیزہ را ما زندراں
دشت موسیٰ گاہ میلرزید از غوغائے ما
کوہ آدم گاہ سرمے سود زیر پائے ما

اور اس کے بعد زوال کا نقشہ یوں ہے۔

حب قوم ورحم خویشاوندو مہر دوستاں
جوش غیرت ء پاس عزت ،آبروے دودماں
دردملت ،صدق نیت حفظ وضع خانداں
زیں فضائل ہم نیابی درگروہ مانشاں
ایکہ در عالم بگشتی ہم چو دید ستی شفگت
رخت مارا دزد بردو خانہ را آتش گرفت

یعنی یہ نادرہ کاری تمام جہانوں میں نہ ملے گی کہ چورتو سارا سامان لوٹ کر لے گئے اور پھر گھر کوآگ بھی لگ گئی۔یعنی دنیوی اور دینی اقدار سب جاتی رہیں۔

غرضیکہ مسدس بسمل ایک نہایت فاضلانہ نظم ہے جو جا بجا تاریخی واقعات سے معمور ہے اور بلاغت اور زورکلام کاایک مثالی شاہکار ہے۔

پنجم۔مرآۃ اسلام: ایک عالی قدر نظم ہے مضمون نام سے ظاہر ہے۔

ششم۔خاتم النبیین: مثنوی ہے۔جس میں حضرت نبی کریم ﷺ کی نعت بیان کی گئی ہے۔اور علاوہ ازیں آپؐ کی ہر زوجہ مطہرہ کے اوصاف ومناقب نظم کئے ہیں۔اس میں آپ نے یہ پابندی رکھی ہے کہ ہر مضمون کے بعد ممدوح یعنی ہر ام المومنینؓ سے درخواست کرتے ہیں کہ بسمل کی مغفرت کے لئے خداتعالیٰ کے حضور سفارش کریں۔

اگرچہ من گنہگارم
لیک از فضل تو رجا دارم
کہ بروز جزاز بطش خدا
وار ہانی غلامک خود را

اس کے بعد خلفائے راشدین، حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور حضرت خلیفۃ المسیح اولؓ اور حضرت خلیفۃ المسیح ثانی اور قادیان کی مدح وتوصیف میں عالی قدر مضمون نظم کئے ہیں۔

ہفتم۔حیات بسمل: مثنوی ہے کہ انسانی زندگی کے مختلف پہلو منظوم کئے گئے ہیں۔نمونہ کلام یہ ہے۔مناجات میں کہتے ہیں۔

اے خدا اگرچہ عذر من لنگ است
نالہ ام نیز خارج آہنگ است
دست موسیٰ زتو نمیخوا ام
دم عیسےٰ زتو نمیخواہم
لحن داؤد ہم نمیخواہم
معجز ہود ہم نمیخواہم
صبر ایوب ہم نمیخواہم
حزن یعقوب ہم نمیخواہم
ملک داری زتو نمیخواہم
شہر یاری زتو نمیخواہم
تاج شاہی زتو نمیخواہم
کجکلاہی زتو نمیخواہم
تخت طاؤس را نمیخواہم
بخت کاؤس را نمیخواہم
جام جمشید ہم نمیخواہم

طشت خورشید ہم نمیخواہم
جاہ کیخسروی نمیخواہم
مملکت کسروی نمیخواہم
صولت سنجری نمیخواہم
دولت اکبری نمیخواہم
من بدخشاں زتو نمیخواہم
بحر عماں زتو نمیخواہم
ہند و سند و عرب نمیخواہم
مصر و شام و حلب نمیخواہم
آسمان و زمیں نمیخواہم
از تو عرش بریں نمیخواہم
از تو خواہم کہ یار من باشی
مونس جان زار من باشی
وقت مُردن بیادِ من آئی
در دل بے مراد من آئی
از بدن چوں رواں رواں گرد
نام پاک تودر وہاں گردر
للہ الحمد بر زباں باشد : حسبی اللہ وردِجاں باشد

اشعار مذکور سے قدرت کلام ،علم قافیہ پر کامل دستگاہ اور منصف کی زندگی کا مقصود ظاہر

ہے۔اشعار کیا ہیں ایک اُمڈا ہوا دریا ہے۔

ہشتم: حق الیقین فی معنی خاتم النبیین ۔اردو نثر میں ہے ۔لفظ خاتم النبیین پر بڑی سیر حاصل صرفی،نحوی اور منطقی بحث ہے۔بہت لاجواب کتاب ہے۔

نہم: قصیدہ نعتیہ۔۱۹۷ اشعار ہیں۔رنگ سخن یہ ہے۔حضرت نبی کریم ﷺ کے متعلق عرض کرتے ہیں۔

در فقیری شہر یارے در شہی پیغمبرے

داور منبر نشیں 'دارانشاں آوردہ ام

گر بگوئی برترش از دیگراں آوردہ

بے گماں آوار دہ ام بے شبہ ہاں آور دہ ام

آوارہ دہ ام' متکلم کی ردیف اختیار کر کے حضرت نبی کریم ﷺ کے اخلاق واوصاف' سیرت و تعلیم اس قصیدے میں بیان کرنا ایک کمال ہے۔خاقانی کا ایک قصیدہ اسی زمین میں موجود ہے۔

دہم: قند پارس اپنی زندگی کے آخری ایام میں خاکسار کی درخواست پر یہ مثنوی آپ نے لکھی اور آپ کے وصال کے بعد طبع ہوئی۔نمونہ کلام یہ ہے اور سو سال کی عمر میں یہ زور کلام ہے۔

باز بسمل از رہ فرزانگی

رفت یاراں بر سر دیوانگی

وہ چہ گوئم از خرد بیگانہ شد

مست شد بدمست شد دیوانہ شد

عاشقی بر خویشتن بندد ہمے

یک جہاں بر کار او خندد ہمے

پھر کتنی پتے کی کہتے ہیں۔

شیخ قوم از خادم اسلام نیست

خنجر چوبیں است او صمصام نیست

یازدہم: مختلف اوقات میں آپ نے جو قصائد اور نظمیں لکھیں ان کا ایک مسودہ خاکسار کو مل گیا تھا۔ باقیات بسمل کے نام سے میرے پاس موجود ہے۔

دوازدہم: کشتی نوح کا فارسی ترجمہ آپ نے کیا تھا۔ کسی دوست کے پاس موجود ہے۔ مجھے باوجود کوشش نہیں مل سکا۔

سیزدہم: حضرت مسیح موعودؑ کی کتاب تذکرۃ الشہادتین کا ترجمہ حضور کے زمانہ میں ہی بسمل نے کیا۔

غرض یہ ہیں بسمل مرحوم۔ علم فضل کے آفتاب، فن شعر میں کامل، اخلاقی اعتبار سے پیکر انکسار۔ بے غرض۔ رو بخدا۔ احمدیت کے دلدادہ۔ جہاں استاد۔ شہرت سے نفور اور ایسے عاجز طبع کہ خود ہماری جماعت میں بھی بہت کم لوگوں کو یہ معلوم ہے کہ ہم میں سے ایک ایسا استاد فن اور باکمال شخص ہوا ہے جس کا بدل ہندوستان میں گذشتہ صدی میں کوئی نظر نہیں آتا۔ سو سال کی عمر پائی اور مقبرہ بہشتی میں تربت گزیں ہوئے یعنی ۱۹۳۹ء میں۔

میں نے نہایت مختصر واقعات آپ کے بارے میں عرض کئے ہیں۔

شیخنا جاں من و جان شما

اللہ اللہ رفعتِ شانِ شما

مرحبا آں علم و فضل و اقتدار

حبّذا آں حلم و عجز و انکسار
مظہر محزوں بخشِشم خونفشاں
یاد ِتاں آرد کہ دارد یادِ ناں
توز یاراں یادے داری کہ نے
تو زیاراں یاد ے آری کہ نے
جستجو کردم بہ عالم کو بکو
نخز گو مثل عبیداللہ سُو
من کہ صد سودا وبکسرداشتم
ریزہ با از خواں او برداشتم
تا سواد از بسمل والا گرفت
یاد او در حضرت رب الانام
شاد مند و شاد بہر و شاد کام

اور میری اس تمام تقریر سے غرض یہ ہے کہ ہم اپنے علماء کی یاد کو تازہ رکھیں۔اوران کے اخلاق اور عملی نمونوں کی پیروی کریں اوراحمدی علمی میدانوں میں سب سے آگے رہیں۔ کیونکہ حصول علم کے لئے جومواقع اور سہولتیں ہمیں حاصل ہیں وہ دوسروں کو میسر نہیں۔

واللہ المو فّق

☆حضرت علامہ مولانا خواجہ محمد عبید اللہ صاحب بسملؒ

اہلیہ صاحبہ خان ظفر الحق صاحب

حضرت حکیم مولوی محمد عبید اللہ صاحب بسمل اگر چہ طبعی عمر کو پہنچ کر فوت ہوئے ہیں۔لیکن جن صفات کے وہ مالک تھے اور جو خوبیاں ان میں پائی جاتی تھیں۔ان کے لحاظ سے ان کی وفات جماعت احمدیہ کے لئے ایک بہت بڑے صدمہ اور رنج کا باعث ہے۔حضرت بسمل مسلمہ قابلیت کے بزرگ اور اعلیٰ پایہ کے انسان تھے۔چنانچہ ان کی وفات پر ان غیر احمدی احباب میں بھی بہت رنج محسوس کیا گیا ہے، جو ان سے شناسا تھے۔اور غیر احمدی اخبارات نے ان کی وفات کا ذکر خاص طور پر کیا ہے۔ہم ممنون ہیں اپنی محترم بہن **اھلیه صاحبه خان ظفر الحق صاحب ای۔اے۔سی رھتک** کے کہ انہوں نے حضرت بسمل کے، جن سے انہیں قریبی رشتہ بھی ہے، کچھ سوانح لکھ کر بھیجے ہیں۔جو ذیل میں درج کئے جاتے ہیں۔(اڈیٹر)

میرے پڑنانا حضرت مولانا خواجہ مظہر جمال صاحب قطب العارفین حضرت امام علی شاہ صاحب نقشبندی سجادہ نشین مکان رتر چھتر کے امرتسر میں اسی طرح خلیفہ مقرر تھے، جس طرح حضرت مولانا احمد جان صاحب (خسر حضرت خلیفۃ المسیح اول رضی اللہ عنہ) لدھیانہ میں۔ ان کے دو صاحبزادے تھے۔بڑے صاحبزادے کا نام خواجہ محمد حسین بخش تھا۔اور چھوٹے کا نام خواجہ محمد عبید اللہ صاحب تھا۔خواجہ محمد حسین بخش صاحب میرے نانا تھے۔ان کے چھوٹے بھائی مولانا بسمل صاحب کی طبیعت شروع سے ہی علم طب اور علومِ دینیہ کی طرف بہت مائل تھی۔چنانچہ ان کی ابتدائی عمر سیر و سیاحت میں ہی بسر ہوئی۔اپنے والد ماجد کی وفات کے بعد اپنا جدّی مکان جو ان کے حصّے میں آیا، میرے نانا جان کے پاس فروخت کر کے بمبئی چلے گئے اور وہاں پر بھی اپنی فارسی تعلیم جاری رکھی۔اور کتاب ترجمانِ پارسی کا مسودہ تیار کیا۔اتفاقاً جنرل عظیم الدین خان بہادر مدار المہام ریاست رامپور کسی سرکاری کام کے لئے بمبئی گئے تو

☆:الفضل ۱۱ اکتوبر ۱۹۳۸ء

بسمل صاحب کی ان سے ملاقات ہوئی۔ اور جنرل صاحب انہیں اپنے ہمراہ رام پور لے گئے ۔اس طرح علوم وفنون عربی و فارسی کے مشہور کتب خانہ رام پور تک ان کی رسائی ہوئی۔ مولانا بسمل کا مطالعہ بہت ہی وسیع تھا۔ ایشیا ٹک سوسائٹی کلکتہ کی لائبریری، کتب خانہ آصفیہ دکن اور ہندوستان کی دیگر لائبریریوں اور مشہور خانگی کتب خانوں کو دیکھتے پھرے۔

مسدس مدو جزر اسلام کی تصنیف:

رام پور کی رہائش کے دنوں میں مسدس مدوجزر اسلام پر قلم اٹھایا۔جس کی نسبت کلکتہ کے فارسی اخبار حبل المتین نے لکھا'' یکے از وطن پرستان اہل ایران''۔اور سنجر ایرانی مشہور شاعر شیوا بیان نے کہا'' واللہ من بہتر ازیں نمے توانم گفت''۔

منشی امیر احمد صاحب،امیر مینائی اور منشی امیر اللہ صاحب تسلیم نے مولانا بسمل کی مدح سرائی میں جو کچھ لکھا وہ ریاست رام پور کے کتب خانہ کی رپورٹ میں درج ہے۔

دیگر تصانیف:

ارجح لمطالب ،مسدس مدو جزر اسلام اور ترجمانِ فارسی تینوں کتابیں لاہور میں آ کر مختلف چھاپا خانوں میں چھپوائیں۔ارجح المطالب کی نسبت تمام ہندوستان میں شہرت ہوگئی کہ ایسی کتاب آج تک ہندوستان میں نہیں لکھی گئی۔

ترجمانِ فارسی کو سید ممتاز علی صاحب مالک رفاہِ عام سٹیم پریس لاہور نے بڑے اہتمام سے نہایت خوشخط چھاپا۔اور شمس العلماء مولوی شبلی نعمانی جیسے نقاد سے اور شمس العلماء مولوی الطاف حسین صاحب حالی جیسے دقت پسند سے اور مولوی ذکا اللہ صاحب جیسے عالی دماغ پروفیسر سے اور سید امیر علی صاحب بیرسٹر ایٹ لاء سے اور خان بہادر پیرزادہ محمد حسین خان صاحب ایم۔اے ڈسٹرکٹ جج سے اور بیل صاحب بہادر ڈائریکٹر سر رشتہ تعلیم پنجاب سے

ریویو حاصل کر کے ٹیکسٹ بک کمیٹی نے پیش کئے اور تین سو روپیہ انعام حاصل کیا، اور مدارسِ پنجاب کے کورس سرمایہ خرد، پیرایہ خرد، گنجینہ خرد کے ابتدائی صفحات ترجمان فارسی کے انتخابات سے مزیّن ہوئے۔ اور تخمیناً دس سال تک زیرِ تعلیم رہے۔

لاہور میں مثنوی مرأۃ الاسلام لکھی جو امرت سر کے مطبع روز بازار میں چھپی۔ جس کی نسبت مولوی سید امیر احمد شاہ صاحب رضوانی پروفیسر گورنمنٹ کالج لاہور اکثر فرمایا کرتے تھے کہ یہ کتاب اسلامی سکولوں میں رائج ہونے کے قابل ہے۔ انہی ایام میں امیر امان اللہ خان خان والئی کابل کے خسر طرزی صاحب قسطنطنیہ سے لاہور آئے اور بوجہ سابقہ تعارف کے مولوی محبوب عالم صاحب اڈیٹر پیسہ اخبار کے مکان پر فروکش ہوئے۔ چونکہ طرزی صاحب فارسی کے کہنہ مشق شاعر اور نہایت شعر فہم اور قدر دان شعراء تھے۔ مولوی محبوب عالم صاحب مولانا بسمل صاحب کو بھی اپنے ساتھ لے گئے۔ طرزی صاحب مرأۃ الاسلام کو پڑھ کر کہنے لگے۔ اب ہمارا ہندوستان کا سفر بیکار نہیں گیا۔

ایں تحفہ را کابل خواہیم بُرد

مولوی محبوب عالم صاحب نے مولانا بسمل صاحب سے درخواست کی کہ ترجمانِ پارسی کی طرز پر ایک کتاب لکھیں اور ساتھ ساتھ اُردو ترجمہ بھی ہو۔ چنانچہ بسمل صاحب نے فارسی بول چال لکھی اور پیسہ اخبار کے چھاپا خانہ میں چھاپی گئی۔ اور بلوچستان کے سرکاری مدارس کے مڈل کورس میں مدت تک جاری رہی۔

ایک مثنوی:

فارسی کے اس اجل عالم کو اس زبان پر جس قدر تصرف تھا۔ اس کا کسی قدر پتہ ذیل کی مثنوی سے لگ سکتا ہے۔ ان کی دوسری خوبیوں پر پھر لکھوں گی۔

اے خدا اگر چہ عذرِ من لنگ است ‌ ‌ ‌ ‌ نالہ ام نیز خارج اہنگ است
رحم فرما و حرف من بشنو ‌ ‌ ‌ ‌ درہم از عرضِ حال بندہ بشنو
من نہ از مکّہ کعبہ و زدیدم ‌ ‌ ‌ ‌ بتِ بے جاں نہ من پرستیدم
من نہ در ہیکلِ سلیمانی ‌ ‌ ‌ ‌ نصب کردم صلیبِ نصرانی
من کمشتم بدادار یحیٰی را ‌ ‌ ‌ ‌ نکشیدم بدار عیسٰی را
من پرستار سومنات نیّم ‌ ‌ ‌ ‌ خادمِ لات یا منات نیّم
خود تُو دانی مہ من مسلمانم ‌ ‌ ‌ ‌ ہست توحید دین و ایمانم
پس چرا مید ہی مرا تعزیر ‌ ‌ ‌ ‌ خاصتہ ایں زماں کہ گشتم پیر
قشقہ دیدی اگر بہ جیہہ من ‌ ‌ ‌ ‌ بے محابا سرم زتن برکن
دیدہ گر صلیب در گردن ‌ ‌ ‌ ‌ گردن من بی تیغ تیز بزن
برکریدہ اگر زنار ‌ ‌ ‌ ‌ خوں بحل کردمت بکش بردار
گر نہ آں دیدۂ نی ایں بامن ‌ ‌ ‌ ‌ استخوانم مکوب درہاون
دست موسی زتو نحے خواہم ‌ ‌ ‌ ‌ دم عیسٰے زتو نحے خواہم
طن داود ہم نحے خواہم ‌ ‌ ‌ ‌ معجز ہود ہم نحے خواہم
صبر ایوب ہم نحے خواہم ‌ ‌ ‌ ‌ حزن یعقوب ہم نحے خواہم
ملک داری زتو نحے خواہم ‌ ‌ ‌ ‌ شہر یاری زتو نحے خواہم
تاج شاہی زتو نمے خواہم ‌ ‌ ‌ ‌ کج کلاہی زتو نمے خواہم
تخت طاؤس رنمے خواہم ‌ ‌ ‌ ‌ بخت کاؤس رانمے خواہم
جام جمشید ہم نمے خواہم ‌ ‌ ‌ ‌ طشت کورشید ہم نمے خواہم

جاہ کخسیروی نمے خواہم　　ملکت کسروی نمے خواہم

صولت سنجری نمے خواہم　　دولت اکبری نمے خواہم

من بدخشاں زتو نمے خواہم　　بحر عماں زتو نمے خواہم

رود جسیحوں زتو نمے خواہم　　نہر سیحوں زتو نمے خواہم

ملک ایران زتو نمے خواہم　　دشت تو توران زتو نمے خواہم

ہندوسندھ و عرب نمے خواہم　　مصرو شام وملب نمے خواہم

آسمان و زمیں نمے خواہم　　ازتو عرش بریں نمے خواہم

ازتو خواہمکہ یار من باشی　　مونس جان زار من باشی

مردن بیاد من ئی　　دردل بے مراد من آئی

چوں ز دنیا رہ سفر گیرم　　لطف فرما بیاد تو میرم

تا بیاد بگزرم از ہوش　　نام تو گیرم دشوم خاموش

از بدن چوں رواں رواں گرد　　نام پاک تو در دہاں گرد

للہ الحمد بر زباں باشد　　حسبی اللہ وردجاں باشد

☆ مرثیہ بروفات فاضل اجل مولوی حکیم عبید اللہ صاحب بسمل:

خان ذوالفقار علی خان گوہر صاحب

اے جری اللہ کے مرد جری
اے عبید اللہ بسمل باوفا

اے اخی واے محبی کیا کہوں
میں تیری تجہیز میں شامل نہ تھا

سلسلہ کے کام سے یہ خاکسار
قادیان سے ڈیڑھ دن باہر رہا

تو اسی عرصہ میں اے پیارے اخی
داغ فرقت ہم سبھوں کو دے گیا

جاننے والے تیرے اے پاکباز
یاد کر کے روئیں گے تجھ کو سدا

تیری شاگردی پہ مجھ کو فخر ہے
تیری اصلاح سخن پر ناز تھا

دیکھ کر وہ فارسی کے چند شعر
تو نے خوش ہو کر بڑھایا حوصلا

اول و آخر وہی اصلاح تھی
کیا خبر تھی جلد تو ہوگا جدا

ذات تیری مجمع اوصاف تھی
ناز تجھ پر علم و فضل وطلب کو تھا

تھا عبور اسلام کی تاریخ پر
نظم میں بھی رکھتا تھا طبع رسا

تجھ پہ نازاں تھی زبان فارسی
ہند میں تو بلبل شیراز تھا

تھی مذاہب پر نظر تیری بسیط
احمدیت کا اثر غالب ہوا

مہدیٔ آخر زماں کے فیض نے
اور سے کچھ اور تجھ کو کر دیا

حق نے تجھ کو کی عطا وہ معرفت
ہر مخالف جس سے عاجز ہو گیا

تھی بہت سنگیں زمین رام پور
تیرے ایمان نے مگر برما دیا

☆: الفضل ۷ اکتوبر ۱۹۳۸ء

بار تجھ پر ہر طرف سے تھا بہت
اور سختی بھی ہوئی حد سے سوا

تیرے بچے جبر سے چھینے گئے
تیری بی بی بھی ہوئی تجھ سے جدا

سختیاں جتنی تھیں تجھ پر کی گئیں
نوکری سے برطرف بھی تو ہوا

گالیاں پڑتی تھیں تجھ پر رات دن
بائیکاٹ اہل محلّہ نے کیا

بے کسی و بے بسی اس پر یہ ظلم
اپنی مظلومی پہ تو صابر رہا

تھی ضعیفی اور بیماری کا دور
اس پہ فاقہ نے بھی حملہ کر دیا

استقامت تیری اور وہ تیرا صبر
دشمنوں کی جان کا دشمن ہوا

تیرے ظلم اور سختیوں میں اے اخی
شیعیت کی دسترس کا ہاتھ تھا

جس نے بھڑکایا حکومت کو بہت
جھوٹ سے اور مکر سے دھوکا دیا

ہاتھ سے کھوئی نہ شان احمدی
تو وفادار حکومت ہی رہا

سختیاں اور اس پہ خاموشی تری
حکم اخراج اس پہ وہ صدق وفا

احمدیت کی تیری یہ شان تھی
دشمنوں کو جس نے گھائل کر دیا

امتحان میں رہا ثابت قدم
تیری نصرت کے لئے آیا خدا

یاد ہوگا اے زمین رام پور
مولوی حاکم پہ حملہ فلج کا

آٹھ دن میں ہو گیا فی النار وہ
مٹ گیا وہ زور اور وہ دبدبا

خاندان رسوا ہوا عزت گئی
سامنے کے ہوا جو کچھ ہوا

قادیان میں تو خدا کے فضل سے
خدمت مخلوق کرتا ہی رہا

سلسلہ کی تو نے کیں وہ خدمتیں
جو نہ دیکھیں گی کبھی روئے فنا

حضرت فضل عمر نے نعش کو
دور تک دوش مبارک پر رکھا

سید احمد اشرف الدین خان

اے اخی تجھ کو نہ بھولیں گے کبھی

گو تیرے ظلم وستم کا ماجرا

اب کہ تو ہم کو بسمل چھوڑ کر

داستان تیری وفا وصبر کی

فکر تھی تاریخ رحلت کی مجھے

احمدی دنیا کو دے گوھر خبر

قادیانی اور یہ گوھر تیرا

روئیں گے پڑھ پڑھ کے مرثیا

احمدی دنیا سے پوشیدہ رہا

محفل احمد شامل ہو گیا

ہم سناتے سب کو ہم پر فرض تھا

ہاتف غیبی نے آ کر کہہ دیا

اس کا مدفن باغ دلکش میں بنا

☆مرثیہ حضرت خواجہ عبید اللہ صاحب بسمل

از شیخ محمد احمد صاحب مظہر بی۔اے ایل۔ایل۔بی ایڈووکیٹ کپورتھلہ

مرا ایں نکتہ از پیرِ خرد خاطر نشانستے — کہ دولت ہیم جانستے قناعت بہ ازانستے

جہاں یکسر دو رنگ آرد شتاب آرد درنگ آرد — بصبحے ارغوانستے بسا رنجِ روانستے

عیارِ دولتِ اکبر مدارِ صولت سنجر — بسا گنجِ گرانستے بسا رنجِ روانستے

ستائش مر خدائے را کہ در دُنیا و در عُقبےٰ — ہمو روزی رسانستے معین و مستعانستے

ز احسانش نمُو گیرد ز لطفش رنگ و بُو گیرد — اگر رُوح و روانستے وگر تاب و توانستے

چو مے خواہی حیاتِ نَو بمُلکِ احمدیّت رَو — زمینش آسمانستے مکانش لامکانستے

بیا چون حضرت بسمل بکُن در قادیاں منزل — ہمیں دار الامانستے ہمیں دار الجنانستے

ز دنیا گوشہ گیری لازِ گوشہ توشہ گیری ہا — بلا رمے بے خزانستے بہشتِ جاودانستے

طبیبِ کامل حاذق حبیبِ مخلص صادق — ز چشمِ مانسانستے ہَمشکل امتحانستے

زباں دانِ زباں آور سخن رانِ سخن پرور — کہ ہم عذب البیانستے کہ ہم رطب اللسانستے

کلامِ دیگراں دیدم بہ نظمش باز سنجیدم — تفاوت بیکرانستے تقابل درمیانستے

بی بیں فضل وکمال او کہ نظم بے مثال او — چہ تیغ اصفہانستے کہ در ہندوستانستے

یکے بنگر کلامش را کہ بشناسی مقاش را — بہ غالب ہم عنانستے بہ عرفی ہم قدانستے

اتالیق، ارجح و مراۃ و ہم آں پارسی نامہ — چہ دلکش داستانستے کزو باقی نشانستے

حیات و مدو جزر و خاتم و حق الیقین او — بخوبی بوستانستے کزو باقی نشانستے

کلاش را چو مے خوانی مقاش را ہمے دانی — کہ طبعش نکتہ دانستے کہ سحرش بیکرانستے

گہر ہر جا نثار آید ہنر اندوختن شاید — مفید رسم جہانستے چنیں دور زمانستے

هنر آموختن باید هنر اندختن شاید | مفید جسم و جانستے مفیض خان و مانستے
چو دورِ آخریں آمد ہنر تبلیغ دیں آمد | بروحق مہربانستے کرا حق برزبانستے
زہے شاعر کہ محبوبش بہر گفتار مطلوبش | مسیحائے زمانستے خدائے کن فکانستے
بدا شاعر کہ آزآردرواں خویش آزارد | زبان او زیانستے جنان او جبانستے
ایا استادِ حق پرورترا ایں بندہ مظہر | بی خیل خادمانستے بہ ذیل ایریانستے
درمعنی بحباں سفتم ضیقت راعیاں گفتم | نہ ایں زورِ بیانستے نہ رنگیں داستانستے
دریں ابیاتِ جاں پرورکہ آمد برزبانم بر | نہ حرفے رائگانستے نہ لفظے شائگانستے
مگر از عفو برگیری مگر از لطف بپذیری | محقّر ارمغنستے کُجا شایانِ شانستے
دُعائے تو ہے گوید وفائے تو ہے جوید | زباں تا در دہانستے قلم تا در بُنانستے
صبا اے پیکِ مہجوراں بگو مختار و گوہر را | کہ بسمل در جنانستے کہ مظہر نوحہ خوانستے

☆: الفضل ۱۱۲ اکتوبر ۱۹۳۸ء

☆ قبلہ خواجہ مولوی عبید اللہ صاحب بسملؔ رضی اللہ عنہ کا انتقال

قاسم علی خان رام پوری

غروب ہو گیا وہ آہ وہ ماہ صدق و وفا کیا تھا مہرِ نبوت سے جس نے کسب ضیا

ہر ایک تار نفس تھا شعاع عشق خدا ضیاء پرتوِ احمد ہر ایک اس کی ادا

وہ خاکساری و عجز و نیاز کی تصویر

وہ صبر و حلم و قناعت کے خواب کی تعبیر

علوم ظاہری و باطنی سے پُر مخزن وہ طب روحی و جسمی کا جاں فزا مسکن

ہزار جان سے اظہار حق میں شیر افگن نثار حسن ازل جس کے تھے روان و تن

جو خاک کوئے صنم کا تھا ہستی پامال

ہر ایک حال میں خرم ہر ایک آن بحال

زبان فارسی گویا تھی اس کی خانہ زار جہاں کے اہل کمال اور فاضل و استاد

جناب فرخی و سنجر سخن ایجاد کلام بسملؔ حق سن کے کرتے تھے ارشاد

محال ہے جو کرے وصف کچھ زباں اس کا

زبان اس کی کلام اس کا ہے بیاں اس کا

علوم دیں میں یہی حاصل تھا وہ ید طولیٰ کہ فخر کرتا تھا جس پر زمانہ اولیٰ

تھا اس کا علم تواریخ مال منقولا تو فن شعر تھا اس کی زباں کا مشغولہ

اسی کی معدن طبع رسا کے جوہر ہیں

جو شیخ صاحب مظہر جناب گوہر ہیں

☆: الفضل ۸ نومبر ۱۹۳۸ء

حصول علم کو جا جا کے دور دور آوے اسی خیال میں اک بار رام پور آئے
جو بزم شاہ میں شعرائے باشعور آئے بہت سے کامل پر غرّہ غرور آئے
مگر ہوا جو تقابل تو کھل گئے جوہر
سران کے جھک گئے پائے کلام بسمل پر
تب اس کے بعد ہوئے ناظم کتب خانہ تلاش شمع میں گویا تھے آپ پروانہ
جو عالی ظرف یہ میکش وہ عالی میخانہ کتاب مے تھی تو چشمان شوق پیمانہ
ہوا وہ میکدہ خالی مگر ہوا نہ سرور
اسی سرور میں رہتے تھے رات دن مخمور
جہاں کے اور کتب خانہ ہائے دیرنیہ کہ نسخہ ہائے قدیم وجدید وپارنیہ
مطالعہ کئے لیکن کھلا نہ کچھ سینہ نہ ارتقاع رواں کے لئے ملا زینہ
تو صوفیا میں پھرا اٹھا وہ جا کے بیعت کی
ملا نہ گوہر مقصود جب تو رجعت کی
جو دل سے طالب و جوئندہ اس علیم کا ہے رہ طلب میں نگہبان رجا وبیم کا ہے.
لنھدینھم فرمان اس رحیم کا ہے طریق اس کی جو فیاضی عمیم کا ہے
وہ اپنے بسمل خستہ کو قادیاں لایا
مراد دل ہوئی حاصل وہ مدعا پایا
فیوض احمد مرسل سے دل ہوا روشن ندائے حق کے لئے پھر اٹھا وہ شیر فگن
وطن بنالیا غربت کو دوش کو مسکن جو خار صحرا کو گل جانا دشت کو گلشن
دوبارہ حق کا وہ منادرام پور آیا

جو بن کے نار گیا ہو کے شمع طور آیا

جو فرق فارسی و نوری میں ہے ہوا ظاہر علوم فلسفیہ و دیں کے عالم و ماہر
ادیب و فاضل و دانا و عاقل و شاطر ہوئے جو عاجز و مجبور سوجھی یہ آخر

کہ ان کو ہر طرح آزار دو کرو سختی
عدو کی شامت اعمال تھی یہ بدبختی

مکاں میں پہلے تو پھینکے ظروف بول و براز چلے جو گھر سے پیچھے لگے کلوخ انداز
ہجوم شوخ و شریر و پلید و بدآغاز تھا سنگ بار وہ آگے تھا بسمل جاں باز

مگر یہ ضیغم حق اطمینان سے جاتا
سگاں نفس دنی کرتے شور عف عف کا

چلا نہ بس تو حکومت کی ساتھ امداد بوقت شب گئے گھر پر وہ ظالم بیداد
وہ بچے جو کہ تھے بے ماں کے کم سن و ناشاد بجبر چھینا سنی کچھ نہ زاری و فریاد

جو ہاتھ دست نبی میں بوقت بیعت تھا
وہ آیا بند سلاسل میں بسمل حق کا

جو سر کھلا تھا تو بکھرے تھے بال چہرے پر جلال حق سے تھا نقشہ بشکل شیر ببر
وفور جوش سے للکارا یوں اٹھا کر سر ہزاروں جاں سے میں قربان ہوں احمدیت پر

ہیں پاؤں بیڑیوں کے ہتھکڑی کے لئے
گلو ہے پھانسی کو تیار ہر گھڑی کے لئے

ہے رام پور جو خاک دیار افغانی ہوئے یہ حضرت عبداللطیف کے ثانی
جو کام آئی وہاں ان کے خوں کے قربانی تو رام پور میں بسمل کا خوں ہوا پانی

یہاں جو نکہت گلزار احمدیت ہے

جناب حضرت بسمل کی سب ریاضت ہے

ہو جس کا رہبر دین ایسا مونس و ہمدم　　　بنے نہ کس طرح دل میرا خانۂ ماتم

ہے قادیانی کی حق سے دعا یہی ہر دم　　　الٰہی روح پہ ہو ان کی تیرا لطف اتم

خوش است مصرعہ سال وفات حق آگاہ

بخلد شد بصفا مولوی عبید اللہ